بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

(پارہ ۱۱ سورہ التوبہ آیت ۱۱۱)

(اس میں تو شک ہی نہیں کہ خدا نے مومنین سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس بات پر خرید لیے ہیں کہ (ان کی قیمت) ان کیلئے بہشت ہے۔ (اسی وجہ سے) یہ لوگ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں تو (کفار کو) مارتے ہیں اور (خود بھی) شہید ہوتے ہیں (یہ پکا وعدہ ہے (جس کا پورا کرنا) خدا پر لازم ہے اور (ایسا پکا ہے کہ) توریت اور انجیل اور قرآن (سب) میں (لکھا ہوا) ہے اور اپنے عہد کا پورا خدا سے بڑھ کر اور کون ہے۔ تم تو اپنی خرید و فروخت پر جو تم نے خدا سے کی ہے خوشیاں مناؤ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

ازواج حضرت امام حسینؑ

اسلامی تواریخ اور قلمی کتابوں کے مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ کی تین بیویاں تھیں۔ حضرت ربابؑ حضرت شہربانو اور حضرت ام لیلیٰ۔

حضرت رباب پہلی زوجہ تھیں جن کے باپ امرء القیس کلبی نے جو عیسائی تھے حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ میں مدینہ آکر اسلام قبول کیا اور حضرت عمر نے امرء القیس کو شام کے مسیحیوں پر حاکم بنا دیا۔ امرء القیس کے اسلام لانے کے فوراً بعد حضرت علیؑ نے ان سے ملاقات کی اور کہا کہ میں علی ابن ابی طالبؑ ہوں اور پیغمبرؐ کا چچا زاد بھائی اور داماد ہوں اور حسنؑ و حسینؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دونوں آنحضرتؐ کی بیٹی فاطمہ زہراؑ سے میرے بیٹے ہیں۔ حضرت علیؑ نے پھر کہا کہ ہم آپ کی دامادی کے شرف کے طالب ہیں آپ ہمیں قبول کیجئے۔ امرء القیس نے فوراً ہی جواب دیا کہ اے نبی کریمؐ کے اہلبیت آپ پر مرحبا اور سلام: یا علیؑ میں نے اپنی بیٹی محیاۃ کو آپ کے نکاح میں دیا۔ پھر امرء القیس رسول کریمؐ کے نواسوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ یا حسنؑ میں نے آپ کا

اپنی بیٹی سلمہ سے کیا اور یا حسینؑ ہیں نے آپ کا نکاح اپنی بیٹی رباب سے کیا۔ اس کے بعد امرا القیس فوراً ملک شام روانہ ہوگئے

حضرت امام حسینؑ حضرت رباب سے نکاح کے وقت یعنی سنہ ۱۶ ہجری میں اپنی نوخیزی کی عمر میں تھے اور حضرت رباب بچپن کی منزلوں سے گذر رہی تھیں لہذا کمسنی رخصتی میں حائل ہوگئی اور حضرت رباب اپنے باپ کے گھر میں رہتی رہیں۔

بہت سے مورخین نے تسلیم کیا ہے کہ حضرت رباب پہلی خاتون تھیں جو حضرت امام حسینؑ کے عقد میں آئیں حضرت سکینہؑ ان سے پیدا ہوئیں جن کا انتقال سنہ ۱۱۷ ہجری میں ہوا جس سے معلوم ہوتا کہ ان کی عمر روز عاشورہ ۱۳ یا ۱۴ برس کی تھی اور ابوالفرج کی روایت کے مطابق حضرت سکینہ کی پیدائش جو مدینہ میں ہوئی سنہ ۴۶ ہجری میں ہوئی ہوگی۔

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ امرا القیس کی حکومت شام کے عیسائیوں پر حضرت عمر کی خلافت کے آخری دور میں ہوئی اور اس وقت امام حسینؑ کا پیغام نکاح حضرت رباب کے لیے دیا گیا تب بھی ۲۴ سال بعد حضرت سکینہ پیدا ہوئیں اور تاریخ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضرت سکینہؑ سے پہلے کوئی اولاد

ہوئی ہو اور فوت ہو گئی ہو اس لئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ نسبت ہونے کئی سال بعد رخصتی ہوئی ہو گی۔

حضرت شہر بانو

لیکن حضرت شہر بانو کے متعلق ہم نے کچھ عرصہ ہوا کتاب عاشورا میں لکھا تھا کہ ان کا عقد بھی حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ میں ہوا اور دوسری روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حارث بن جابر جعفی نے یزدگرد کی دو صاحبزادیاں ۳۳ھ ہجری میں امیر المومنین حضرت علیؑ کے پاس بھیجیں اور انھوں نے ایک کا عقد حضرت حسینؑ سے اور دوسری کا حضرت حسینؑ سے کر دیا پہلی صورت میں عقد ۲۲ھ ہجری میں ہوا جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۶۱ھ ہجری میں روز عاشورا حضرت زین العابدینؑ کی عمر ۴۰ سال کی تھی حالانکہ موورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت سجادؑ کی پیدائش ۳۸ھ ہجری میں ہوئی اور روز عاشورا آپ کی عمر ۲۳ سال تھی اور عقد کا ہونا اگر ۳۵ھ یا ۳۶ھ ہجری میں یہی فرض کر لیا جائے تب بھی ہمارا حساب زیادہ صحیح ہے۔

لیکن حضرت لیلیٰ حضرت علی اکبرؑ کی والدہ تیسری خاتون تھیں

جو حضرت حسینؑ کے عقد میں آئیں اور "ابن ادریس" اور "کامل زیارہ" اور "مقاتل الطالبین کی تحقیق کے مطابق حضرت علی اکبر ۳۳ سنہ ہجری میں پیدا ہوئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لیلیٰ کا عقد حضرت شہربانو کے عقد سے کچھ عرصہ پہلے ہوا ہوگا۔

اسلام کے بزرگ مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ روز عاشورا حضرت علی اکبرؑ کی عمر ۲۵ اور ۲۸ سال کے درمیان تھی اور "صدوق اول ودوم" کی روایت کے بموجب آپ کی پیدائش ۳۳ سنہ ہجری میں ہوئی اور یہ بات مسلمہ ہے کہ حضرت زین العابدینؑ ۳۸ سنہ ہجری میں پیدا ہوئے اور حضرت علی اکبرؑ ان سے عمر میں بڑے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رباب کی عمر تقریباً ساٹھ سال ہوئی اور حضرت شہربانو کی عمر تقریباً پچاس سال اور حضرت لیلیٰ کی تقریباً چالیس سال ہوئی کیونکہ حضرت لیلیٰ کی کربلا میں موجودگی کے متعلق اختلاف ہے۔ کچھ مورخین کہتے ہیں کہ وہ کربلا میں موجود تھیں اور انھوں نے حضرت علی اکبرؑ کو میدان میں جانے کی اجازت دی اور خدا حافظ کہا اور بعض مورخین کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ کربلا کے واقعہ سے پہلے وفات پا چکی تھیں، اس خیال کے مطابق آپ کی عمر چالیس سال یا اس سے کچھ زیادہ نہیں ہوئی اور

حضرت حسینؑ کے احساسات غم میں ایک احساس حضرت علی اکبر کی ماں کی وفات سمجھا جاتا تھا۔

حضرت علی اکبرؑ کی والدۂ محترمہ

حضرت علی اکبرؑ کی والدہ ماجدہ لیلیٰ بنت مرۃ بن عروۃ بن مسعود ثقفی تھیں جیسا کہ شیخ مفید نے "ارشاد" میں اور طبرسی نے "اعلام الوری" اور محمد بن جریر نے تاریخ کبیر میں اور ابن اثیر نے کامل میں اور یعقوبی نے اپنی تاریخ میں اور سہیلی نے روض الانف کی تیسری جلد صفحہ ۳۲۶ میں لکھا ہے۔

میمونہ ابوسفیان کی دختر تھیں اور عروہ نے میمونہ سے شادی کی اور ان سے ابی مرہ پیدا ہوئے اور حضرت لیلیٰ زوجہ حضرت امام حسینؑ ابی مرہ کی صاحبزادی تھیں۔

چونکہ حضرت لیلیٰ ابوسفیان کی پرنواسی تھیں اس لئے روز عاشورا لوگوں نے حضرت علی اکبرؑ کو یزید کے لشکر کی طرف آنیکی دعوت دی لیکن حضرت علی اکبرؑ نے جو نفس پاک کے حامل تھے ان کی خواہش کو رد کر دیا اور فرمایا کہ پیغمبر خداؐ کی وابستگی جگرخوارہ کے پوتے کی پیوستگی سے کہیں بہتر ہے (آپ کا اشارہ ہندہ زوجہ

ابوسفیان کی طرف تھا جس نے حضرت حمزہؑ کا کلیجہ چبایا تھا)

حضرت لیلیٰ کا سال وفات معلوم نہیں ہو سکا اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ انھوں نے کتنی عمر پائی لیکن بہت سے مورخین نے ان کی وفات واقعۂ کربلا کے قبل لکھی ہے۔

حضرت علی اکبرؑ کی پیدائش

تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی اکبرؑ ۳۳ھ ہجری میں یعنی حضرت عثمانؓ کے قتل کے دو سال قبل پیدا ہوئے۔

ابن ادریس حلی نے مزار السرائر میں لکھا ہے کہ حضرت علی اکبرؑ حضرت عثمان کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ اس بنا پر ان کا سن روز عاشورا اٹھائیس سال کا تھا

مورخین اور ارباب انساب نے بالاتفاق لکھا ہے کہ حضرت علی اکبرؑ حضرت سجادؑ سے عمر میں بڑے تھے اور اسی وجہ سے ان کا نام اکبر رکھا گیا حضرت سجادؑ کی عمر روز عاشورا تقریباً تیئیس سال تھی۔

وجہ تسمیہ "علیؑ"

بنی امیہ اور شام کی تواریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے

کہ سوریہ و لبنان کے لوگوں نے سو سال تک اپنی اولاد میں سے کسی کا نام علیؑ نہیں رکھا، نیز امیر معاویہ کی انتھک کوشش تھی کہ حضرت علیؑ کا نام لوگوں کے دلوں سے محو ہو جائے اور وہ آپ کے مکارم اخلاق اور پیغمبر خداؐ سے نسبت کے شرف سے تاریکی میں رہیں چنانچہ یہ اُسی پروپیگنڈے کا نتیجہ تھا کہ جب حضرت علیؑ کے کوفہ کی مسجد میں شہید ہونے کی خبر شام میں پہنچی تو شامیوں نے کہا کہ علیؑ کو محراب و مسجد سے کیا تعلق، اور جب اسیران کربلا شام میں وارد ہوئے تو لوگ کہتے تھے کہ وہ خارجی اور علیؑ کی اولادؑ ہیں جنھوں نے امیر معاویہ پر خروج کیا تھا اسی غلط تشہیر کا اثر اب تک باقی ہے۔ چنانچہ ۱۳۶۵ ہجری میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگانی کا فلم مصر کے سینماؤں میں دکھایا گیا لیکن ابد اُحضرت علیؑ کا نام تک نہیں لیا گیا حالانکہ غزوات اسلام میں حضرت علیؑ نے اسّی غزوںن میں حصہ لیا تھا اور ان کی دینِ اسلام کی اشاعت میں جانفشانی اور جانبازی ناقابل انکار ہے انھیں وجوہ سے حضرت امام حسینؑ نے اپنے ہر فرزند کا نام علیؑ رکھا اور فرمایا کہ اگر میرے ہزار فرزند ہوتے تو سب کا نام علیؑ ہی رکھتا تاکہ میرے پدر بزرگوار کا نام زندہ، باقی اور برقرار رہے!

حضرت علی اکبرؑ شجر نبوت و ولایت کے ثمر اور ہمشکل پیغمبرؐ تھے اس لئے یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی شادی اٹھائیس سال کی عمر تک نہیں ہوئی۔ خاندان رسالت کا یہ پسندیدہ دستور تھا کہ جب سن بلوغ کو پہنچتے تھے اس سنت مبارک پر عمل فرماتے تھے۔ یہ شہرت کہ حضرت علی اکبرؑ کے اولاد نہ تھی محض افترا ہے اور ملّت اسلامی کے آداب و رسوم کے خلاف ہے اور اس بات کے ثابت کرنے کے لیے بلا وجہ ان کا سن ۱۸ سال کا مشہور کر دیا ہے حالانکہ صحیح روایتوں میں مثل "کامل الزیارت" کی روایت جو ابن مہزیار (جو حضرت امام محمد تقیؑ کے سب سے قابل اعتماد وکیل تھے) اور ابن ابی عمیر کے جیسے ثقہ راویوں سے بیان کی گئی ہے تحریر ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام حضرت علی اکبر کی زیارت اس طرح پڑھتے تھے۔

"صلی اللہ علیک و علیٰ عترتک و اھل بیتک و اٰبائک و ابنائک و امھاتک الاخیار الذین اذھب اللہ عنھم الرجس و طھرھم تطھیرا"

ابناء کا لفظ دو سے زیادہ فرزندوں پر دلالت کرتا ہے ممکن ہے اولاد صلبی مثلاً پوتے یا نواسے مراد ہوں۔

لقب حضرت علی اکبر شہید علیہ السّلام

حضرت علی بن حسینؑ کا لقب اکبر تھا کیونکہ وہ حضرت زین العابدینؑ سے بڑے تھے۔ اس قول کی تصریح حضرت سجادؑ نے ابن زیاد کے دربار میں کی جب اس نے کہا تھا کہ "کیا علی کو خدا نے قتل نہیں کیا" امامؑ نے فرمایا کہ وہ میرے بھائی علی اکبر تھے جن کو لوگوں نے شہید کیا۔

بہت سے مورخین مثلاً ابن جریر طبری نے تاریخ کبیر کے صفحہ ۸۹ جلد ۱۳ میں طریحی نے اپنی تاریخ کے صفحہ ۸۰ میں، ابن قتیبہ نے "المعارف" کے صفحہ ۹۳ پر، دینوری نے اخبار الطوال، کے صفحہ ۲۵۴ میں، یعقوبی نے اپنی تاریخ کی جلد ۲ صفحہ ۲۴۴ میں سبط ابن جوزی نے تذکرۃ الخواص کے صفحہ ۱۵۶ میں، شعرانی نے 'لواقح الانوار' کی جلد ۱ صفحہ ۲۳ میں، سہیلی نے روض الانف کی جلد ۲ صفحہ ۳۲۶ اور شبلنجی نے الصار العین کے صفحہ ۲۱۵ میں تحریر کیا ہے کہ حضرت علی اکبرؑ بڑے صاحبزادے تھے اور وہ بنی ہاشم میں اول شہید تھے اور صاحب اولاد تھے اور حضرت زین العابدینؑ ان سے چھوٹے تھے اور واقعہ کربلا کے دن بیمار تھے۔

ابن اثیر نے بھی کامل التواریخ کی جلد ۳ صفحہ ۳۰ میں لکھا ہے کہ حضرت علی اکبرؑ روز عاشورا آل ابی طالب میں سب سے اول شہید ہوئے تھے اور ان کی والدہ کا نام ام لیلی تھا۔ حضرت علی اصغرؑ کی پیدائش کے بعد حضرت زین العابدینؑ علی اوسط نام سے مشہور ہوئے۔

علاوہ بریں اسلام کے اور بزرگ علماء نے مندرجہ بالا اقوال کی تائید کی ہے۔

لیکن تمام مورخین اور راویوں میں سے فقط شیخ مفید نے ارشاد میں اور طبرسی نے 'اعلام الوری' میں یہ عقیدہ ظاہر کیا ہے کہ جو صاحبزادے شہید ہوئے وہ علی اصغرؑ تھے اور علی اکبرؑ وہ تھے جن کی والدہ گرامی شہربانو دختر کسریٰ یزدجرد تھیں۔

یہ خبر بھی صحیح ہے کیونکہ علی اصغرؑ جن کا سن چھ مہینے کا تھا اپنے بھائی علی اکبرؑ کے بعد شہید ہوئے۔

ابن شہر آشوب نے مناقب میں 'ابن طلحہ شافعی نے مطالب السئول کے صفحہ ۷۳ میں' ابن خشاب نے اپنی تاریخ میں' محب طبری نے ذخائر العقبیٰ' میں اور ابن صباغ مالکی نے فصول المہمہ میں تصریح کی ہے کہ حضرت زین العابدینؑ حضرت علی اصغرؑ کی ولادت کے بعد

علی اوسط کہلائے گئے اور حضرت امام حسینؑ کی تین اولاد نرینہ تھیں جن میں سے ہر ایک کا نام علی رکھا گیا۔

حضرت علی اکبرؑ کی علمی و اخلاقی فضیلت

حضرت علی اکبر خاندان نبوی میں جمال پیغمبری کا آئینہ تھے۔ ان کی رفتار پیغمبرؐ کی رفتار کے مشابہ تھی۔ ان کا روشن چہرہ مثل پیغمبرؐ کے منور چہرہ کے چمکتا تھا۔ ان کا لوگوں سے ملنا جلنا مثل پیغمبرؐ کے تھا۔ اسی وجہ سے جب حضرت امام حسینؑ کو اپنے جد رسول خداؐ کے جمال کی زیارت کی خواہش ہوئی تھی تو اپنے فرزند دلبند علی اکبرؑ کی صورت کو دیکھ لیتے تھے۔ حضرت علی اکبر لحن داؤدی رکھتے تھے اور جب امام علیہ السلام کا دل چاہتا تھا تو ان سے قرآن شریف واذان وغیرہ سنتے تھے اور ان کے حسن اخلاق کو دیکھ کر جو سرتا پا اخلاق رسالت کا آئینہ اور "انک لعلی خلق عظیم" کا مظہر تھا خوش ہوتے تھے اور اس بات سے کہ خداوند عالم نے ان کو فرزند شبیہ رسالتمابؐ عنایت فرمایا بہت محظوظ ہوتے تھے۔

جن لوگوں نے سرکار دو عالمؐ کی سیرت وصفوت کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضور پرنور کس قدر خوش بیان کریم النفس

نرم دل، بشاش، بلند طبع، خوش منظر، پاک باطن اور منکسر المزاج تھے۔ یہ سب فضائل حضرت علی اکبرؑ کے وجود میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ یہی وجہ تھی کہ روز عاشورا حضرت امام حسینؑ نے علی اکبرؑ کو اجازت جنگ دیتے وقت برجستہ فرمایا۔

"اللھم اشھد انہ بزر الیھم اشبہ الناس خَلقًا و خُلقًا برسولک وکنا اذا اشتقنا بنبیک نظرنا الیہ"

"پروردگار! گواہ رہنا کہ اس قوم کی طرف ایسا شخص جاتا ہے جو تیری مخلوقات میں صورت و سیرت اور رفتار و گفتار میں تیرے پیغمبرؐ سے بے حد شابہ تھا اور جب میں تیرے پیغمبرؐ کے جمال کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا تو اس کو دیکھ لیتا تھا۔"

حضرت علی اکبرؑ خطا سے مبرا اور ہر عیب سے پاک تھے اور شاید اگر وہ شہید نہ ہوتے تو امامت ان کے صلب میں قرار پاتی۔

ہاں! باری تعالیٰ کے فضل و کرم سے بعید نہیں ہے کہ ایک مقدس وجود کو ہر عیب و نقص سے منزّہ پیدا فرمائے اور اس کو مسلمانوں کے لیے اسلامی اخلاق کا نمونہ قرار دے۔

حضرت علی اکبرؑ کے مقام اور شخصیت کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت زین العابدینؑ اپنے بھائی کی قبر کے سامنے کھڑے ہو کر

ان کی مخصوص زیارت پڑھتے تھے اور اس زیارت میں ان کے فضائل ذاتی کا تذکرہ فرماتے تھے۔

حضرت علی اکبرؑ کے حسب و نسب و ذاتی شرف اور اوصاف کے لیے صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ حسنِ اخلاق کے اعتبار سے خُلقِ محمدی کا مکمل نمونہ تھے اور جوانی میں روحانی انوار فضل و کمال، شجاعت و سخاوت کے مالک تھے۔

آپ شرافت، بزرگی اور خصائل حمیدہ سے آراستہ تھے اور عرب کی قوموں میں اپنی سیادت، عزت نفس اور علوم تبت کیلئے مشہور تھے اور نہایت وقار اور اطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے۔ عربوں کے دلوں میں اس حد تک جگہ حاصل کر لی تھی کہ مخالفین تک ان کو احترام و عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے یہاں تک کہ امیر معاویہ باوجود اپنی اس خصومت کے جو ان کو بنی ہاشم سے تھی بار بار اعتراف کرتے تھے کہ علی اکبر سب سے زیادہ خلافت پیشوائی اور سرداری کے مستحق ہیں۔

جب لوگوں نے ان سے پوچھا کہ خلافت کے لائق کون ہے تو امیر معاویہ نے جواب دیا کہ خلافت کے عہدہ کے لیے علی ابن حسین لائق ترین ہیں کیونکہ ان کی ذات میں بنی ہاشم کی شجاعت بنی امیہ کی

سخاوت اور بنی ثقیف کا حسن موجود ہے۔[1]

ہم کو کسی طرح کا شک نہیں ہے کہ حضرت علی اکبرؑ ان فضائل کے حامل تھے وہ شجر نبوت کے ثمر اور شجر خلافت کی شاخ تھے اور امیر معاویہ نے صحیح پہچانا کہ حضرت علی اکبرؑ کو یہ صفات وراثت میں ملی تھیں۔

مگر امیر معاویہ کا یہ فیصلہ اور تصدیق بے لوث نہ تھے وہ چاہتے تھے کہ ان تین خصلتوں میں سے ایک میں ان کا حق بھی ثابت ہو جائے اور ان کی نظر میں حسب ذیل تین باتیں تھیں۔

۱۔ وہ چاہتے تھے کہ حضرت امام حسینؑ کی ثابت شدہ خلافت کو متزلزل کر دیں تاکہ بنی امیہ میں حق قائم رہے اور ایک غیر مخصوص شخص کا نام پیش کر کے مسلمانوں کے ذہنوں اور رائوں کو برگشتہ کر دیں۔

۲۔ وہ چاہتے تھے کہ خلافت کی شرایط کو ان تین باتوں پر محول کریں اور خلافت کی باقی شرطوں کو جن میں سب سے اہم علم و عصمت و نص امامت ہیں برطرف کر دیں۔

۳۔ تیسرے وہ چاہتے تھے کہ سخاوت میں بنی امیہ کی فضیلت کو

[1] مقاتل الطالبین صفحہ ۳۱

ثابت کردیں تاکہ لوگ ان کی طرف رجوع ہوں اور بنی ثقیف کے حسن کو شرائط خلافت میں اس لیے شامل کر لیا کہ وہ خوش ہو کر بنی امیہ کی فضیلت کو شہرت دیں۔ اس طرح انھوں نے موضوع زیر بحث کو خلط ملط کر دیا۔ امیر معاویہ کے دادا عبد شمس ہاشم کے سایہ میں زندگی بسر کرتے تھے اور امیہ نے عبدالمطلب کے گھر میں بتیس سال زندگی گذاری اور ان کے دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے اور ابوسفیان نے بوجہ کنجوسی اپنی بیوی ہند کا نفقہ نہیں دیا۔

رہی امیر معاویہ کی سخاوت تو وہ جیسا کہ محترم ناظرین خوب جانتے ہیں ذاتی شان و شوکت اور سیاسی اغراض کے لیے استعمال کی جاتی تھی، چند حسب ذیل واقعات قابل ذکر ہیں:۔

۱۔ مورخ بلاذری، علامہ مجلسی، علامہ بیہقی اور علامہ امینی تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوذر غفاری حضرت عثمان کے حکم سے مدینہ سے جلاوطن کر کے 'شام' کو بھیجے گئے تو وہاں ان دنوں امیر معاویہ اپنا "قلعۃ الخضراء" بنوا رہے تھے ہزاروں مزدور کام پر لگے ہوئے تھے، ایک دن امیر معاویہ بڑے فخر سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ حضرت ابوذر نے

دیکھ پایا آپ ان کے قریب گئے اور فرمایا۔

اے معاویہ! اگر اس محل کی تعمیر خدا کے مال سے ہے تو خیانت ہے اور اگر تمھارے مال سے ہے تو اسراف ہے امیر معاویہ نے یہ سن کر خاموشی اختیار کی اور ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کچھ جواب نہ دیا۔

۲۔ جب امیر معاویہ کیلئے امام حسنؑ کی زندگی دوبھر ہو گئی تو انھوں نے سازش کر کے امام حسنؑ کو زہر دلوا دیا، امیر معاویہ نے جعدہ دختر اشعث بن قیس امام حسنؑ کی بیوی کے پاس زہر بھیجا تاکہ وہ ان کو پلا دے اور یہ وعدہ کیا کہ اگر تو ایسا کرے گی تو میں ایک لاکھ درہم تجھ کو دوں گا اور اپنے بیٹے یزید کی زوجیت میں تجھ کو لے لوں گا، جب جعدہ نے اپنا کام کر دیا تو امیر معاویہ نے اس مال کو اس کے پاس بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ تیرا یزید کی بیوی ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ مجھ کو اپنے بیٹے کی جان پیاری ہے۔

(روضۃ الاحباب، ارجح المطالب، عبید اللہ امرتسری)

۳۔ امیر معاویہ نے اپنے عمال کو حکم دیدیا تھا کہ یزید کی ولیعہدی لوگوں سے تسلیم کرانے کے لیے روپیہ خرچ کرنے میں دریغ

نہ کریں۔ چنانچہ مغیرہ بن شعبہ نے جو اس وقت کوفہ کا حاکم تھا کوفہ سے ایک وفد اپنے لڑکے موسیٰ کی سربراہی میں امیر معاویہ کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ کوفہ کے لوگ یزید کی ولی عہدی کو تسلیم کرنے کے لیے ہمہ تن تیار ہیں۔

امیر معاویہ نے مغیرہ کے بیٹے سے دریافت کیا کہ تیرے باپ نے ان لوگوں کا ایمان کتنے میں خریدا۔ اس نے جواب دیا کہ تیس ہزار درہم میں"

(کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۵۲ سطر ۲۲) مترجم

یہ تھی سخاوت بنی امیہ جس پر امیر معاویہ فخر کرتے تھے۔

لیکن بنی ہاشم کی سخاوت یہ تھی کہ ہاشم سب حاجیوں کی مہمان نوازی کرتے تھے، سب کو کھانا اور سواریاں دیتے تھے اور ابوقبیس پہاڑ پر جاتے تھے اور حاجیوں کو پرندوں اور چرندوں کے گوشت کی دعوت دیتے تھے، کعبہ میں فرش بچھاتے تھے۔ ان کے بعد ابوطالب جن کو سید البطحاء کہتے تھے وارث ہوئے اور اس میزبانی کو جاری رکھا اور جب رسالتمآبؐ وارث ہوگئے تو وہ عرب کے دیہاتی لوگوں، حاجیوں، قبیلوں اور کنبہ والوں یعنی اپنے اور پرائے سب کی خاطر و مدارات فرماتے تھے اور اس قدر مال و زر

عطا فرماتے تھے کہ بیان سے باہر ہے اور جب یہ عہدہ امیرالمومنین علیؑ کو ملا تو انھوں نے اپنے قوت بازو سے خرمے کے باغ لگائے اور لوگوں کو بخش دیئے اور حضرت حسینؑ نے اپنے مکان کے دروازے کے پٹ کے پیچھے سے سائل کو چالیس ہزار درہم عطا کئے اور عذر خواہی کی۔ حضرت علی اکبرؑ ان بے نظیر بزرگواروں اور سخاوت کرنے والوں کے وارث تھے اور ان کے پیرو تھے۔ ان میں نبی کریمؐ کی صورت و سیرت اور اپنے باپ دادا کی بخشش و کرم جمع ہو گئے تھے

علاوہ ان فضیلتوں کے حضرت علی اکبرؑ نہایت صاحب بیان تھے جو صفت اس حد پر کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

ابی مخنف نے عقبہ بن سمعان سے روایت کی ہے کہ ایک رات حضرت امام حسینؑ نے قصر بنی مقاتل میں قیام کیا۔ سفر کے وقت فرمایا کہ پانی بھر لیا جائے تاکہ روانہ ہوں۔ دوران سفر میں حضرت نے اپنا سر زانو پر رکھا اور غنودگی طاری ہو گئی جب آنکھ کھلی تو آپ نے چاروں طرف دیکھا اور سر اٹھا کر فرمایا۔
"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ"

اور تین مرتبہ یہی کلمے فرمائے۔ حضرت علیؑ جو نہایت دبدبہ و دلیری سے گھوڑے پر سوار تھے یہ سن کر فوراً اپنے پدر بزرگوار کے گھوڑے

کے قریب پہنچ گئے اور تین مرتبہ وہی جملہ دہرایا اور عرض کیا کہ میں آپ پر قربان ہوں! کیا وجہ ہے کہ آپ نے ترجیع اور حمد الٰہی فرمائی، حضرت امام حسینؑ فرمایا کہ اے میرے نور چشم مجھ کو غنودگی سی ہو گئی تھی، میں نے ایک سوار کو دیکھا کہ کہہ رہا ہے۔

"یہ قوم سفر کر رہی ہے اور موت اس کے ساتھ ساتھ چل رہی ہے" میں نے سمجھا کہ ہماری روحیں ہم کو موت کی خبر دے رہی ہیں۔

حضرت علی اکبرؑ نے عرض کیا "اے بابا جان کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اُس خدا کی قسم جس کی طرف ہم سب کی بازگشت ہے ہم حق پر ہیں اور حق ہی کے لیے سفر کر رہے ہیں۔

حضرت علی اکبرؑ نے عرض کیا کہ اگر ایسا ہے کہ ہم حق پر ہیں تو ہم کو موت اور شہادت کا کوئی خوف نہیں ہے۔ حق پر ہم اپنی جان دیدیں گے۔

حضرت امام حسینؑ یہ جواب سن کر بے حد خوش ہوئے اور فرمایا اے جان پدر خداوند تعالیٰ تم کو وہ بہترین جزا جو ایک باپ کی طرف سے بیٹے کو دی جا سکتی ہے عنایت فرمائے۔

یہ تھی علی اکبرؑ کے قلب اور ایمان کی قوت کہ موت اور شہادت

کی خبر سن کر اپنے دل میں کسی خوف و ہراس کو جگہ نہیں دی اور اپنے پدر بزرگوار کو اپنی رضامندی سے تسکین دی۔

حضرت علی اکبرؑ ۳۳ یا ۴۴ ہجری کے درمیان پیدا ہوئے اور علی اوسط حضرت زین العابدینؑ ۴۷ ہجری میں پیدا ہوئے۔

حضرت علی اصغرؑ ۵۹ ہجری میں جبکہ حسینؑ مدینہ طیبہ سے ہجرت کا ارادہ فرما رہے تھے پیدا ہوئے۔

علی اکبرؑ جو ۲۸ سال کے تھے تین سال اپنے دادا امیرالمومنین علیؑ اور انیس سال اپنے چچا حضرت حسنؑ کے زیر سایہ رہے اور اس طرح حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے سال تک حکومت جو چالیس چلتی رہی تھی ان سے پوری طرح سے واقف ہو گئے تھے۔

حضرت علی اکبرؑ نے حضرت علیؑ "باب مدینہ علم" اور حسنؑ وحسین علیہما السلام کی آغوش عصمت میں تربیت پائی اور تعلیمات دینی واخلاقی سینہ بہ سینہ ان بزرگواروں سے حاصل کیں۔ علاوہ بریں اکابر اصحاب رسول کریمؑ جو خاندان ولایت کے پروانہ تھے ان کے گرد جمع رہتے تھے اور علی اکبرؑ کو احادیث و اخبار نبوی سناتے رہتے تھے۔ ایسے ماحول کی بود وباش کا اثر جو کچھ ہونا چاہیے تھا وہ بدرجہ اتم ان میں نمایاں تھا۔

ادب علی اکبرؑ

حضرتِ علی اکبرؑ ہمشکل پیغمبرؐ تھے اور ان کی رفتار و گفتار آنحضرتؐ کی مانند تھیں ۔ ان کا منور چہرہ دیکھنے والوں کی نظروں کو خیرہ کر دیتا تھا آپ کا کلام بلیغ، فصیح اور دلکش ہوتا تھا ۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ رسالتمآبؐ کلام فرما رہے ہیں ۔

علی اکبرؑ اپنے پدر بزرگوار کے سامنے نہیں بیٹھتے تھے اور بغیر ان کی اجازت کے کسی مجمع میں نہیں جاتے تھے ۔ جب تک کوئی سوال نہ کرے گفتگو شروع نہیں کرتے تھے ۔ وہ اپنے ہر کام میں خداوند بزرگ و برتر پر نظر رکھتے تھے ۔

علی اکبرؑ اپنی والدہ ماجدہ کا بے حد احترام کرتے تھے یہاں تک کہ بغیر ان کی اجازت اور رضا کے کوئی کام نہ کرتے تھے

اکثر مورخین نے جنھوں نے علی اکبرؑ کی شہادت کا اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اور جو اس بات کے معتقد ہیں کہ آپ کی والدہ کربلا میں موجود تھیں لکھا ہے کہ جب علی اکبرؑ نے میدان میں جانے کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے اپنی والدہ ماجدہ سے اجازت لی اور اس کے بعد اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے

اور اجازت مانگی۔

بہت سے شیعہ علماء کا عقیدہ ہے کہ علی اکبرؑ درجہ عصمت سے قریب تھے آپ سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد نہیں ہوا۔ کسی اسلامی کتاب میں نہ دیکھا گیا ہے اور نہ سنا گیا ہے کہ کسی شخص نے اپنی تنقید میں علی اکبرؑ کے متعلق بجز آپ کی انکساری، راستی، ادب، شجاعت، فصاحت اور سخاوت کوئی بات لکھی ہو۔

علی اکبرؑ و جنگ

ہاں! وہ شخص جو حسینؑ کی گود کا پلا ہوا ہو وہ حق کو ہر چیز پر مقدم رکھے گا اور زمانہ کے ظالم سے ظالم شخص کی بیعت نہیں کرے گا باوجودیکہ وہ کتنا ہی طاقتور ہو۔

حضرت علی اکبرؑ کے چند گھنٹوں (یعنی شب عاشورا سے وقت شہادت تک) کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے موقعوں پہ جب بڑے سے بڑے بہادروں کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں آپ نے اپنی روحانی اور جسمانی قوت کی وجہ سے ایک لمحہ کو بھی ہراس اپنے پاس نہیں آنے دیا اور نہایت استقلال اور دلیری سے باوجود اس کے کہ جانتے تھے کہ شہید ہوں گے جنگ کی اور اپنے

آپ کو پہچنوایا مگر جب یہ دیکھا کہ ان کے رجز کا کوئی اثر نہیں ہوا تلوار اُٹھا کر دشمن کے لشکر پر جھپٹ کر حملہ کیا اور ان کی ایک جماعت کو تتر بتر کر دیا۔

علی اکبرؑ نے جنگ میں کسی کو زخمی کر کے تلملاتا ہوا چھوڑ دینا کبھی پسند نہیں کیا، صاحبان مقاتل نے لکھا ہے کہ اس ہاشمی جوان نے دو سَو اسی آدمیوں کو قتل کیا اور اس طرح لشکر پر حملہ کرتے تھے کہ "الامان" کی صدا بلند ہونے لگتی تھی۔ اس وقت اپنے باپ کی خدمت میں آئے اور تجدید عہد کیا حالانکہ شہیدوں میں سے کسی کو یہ قدرت نہ تھی کہ تنہا ایک بڑے لشکر پر حملہ کرے اور اس کو متفرق کر دے اور خیمہ گاہ کو واپس آئے۔ علی اکبرؑ نے دوسرے حملہ میں بھی وہی بہادری اور شجاعت دکھائی، باوجودیکہ ہتھیاروں کی گرانی اور پیاس کی شدت نے آپ کو نڈھال کر دیا تھا لیکن جنگ سے نہیں تھکتے تھے۔ دشمن ان کی گھات میں تھے تاکہ ان کو شہید کریں۔

تمام مورخین کا اتفاق ہے اور یہ بات آپ کی زیارت میں بھی ہے کہ علی اکبرؑ اصحاب کے بعد ۳۵ ہاشمی جوانوں میں پہلے جوان تھے جو جنگ کے لیے نکلے۔

حضرت زینبؑ کی روایت ہے کہ جب عاشورا کی رات کو انھوں نے اپنے بھائی کو ان کے خیمہ میں نہ پایا تو تلاش کے خیال سے اصحاب کے خیمہ کے پیچھے تشریف لائیں کہ شاید ان کے بھائی وہاں ہوں۔ وہاں انھوں نے دیکھا کہ اصحاب ان دلیر جوانوں کی طرح جن کے گھر دلہن پہلی مرتبہ آ رہی ہو جمع ہیں اور آپس میں ہنسی مذاق کر رہے ہیں اور اپنی تلواروں پر صیقل کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ کل ہم کو چاہیے کہ ہم لوگ بنی ہاشم سے پہلے دشمن کے لشکر پر حملہ کریں اور دلیری سے مقابلہ کریں۔

جب وہاں سے وہ بنی ہاشم کے خیمہ کے پیچھے آئیں تو انھوں نے دیکھا کہ سب لوگ میرے بھائی عباس اور بھتیجے علی اکبرؑ کے گرد اگرد جمع ہیں اور اپنے ہتھیار تیز کر رہے ہیں اور علی اکبرؑ کہہ رہے ہیں کہ ہم کو چاہیے کہ اصحاب سے پہلے میدان میں جائیں تاکہ اصحاب یہ نہ کہیں کہ ہم کو اپنوں سے پیشتر بھیج دیا۔

اس واقعہ سے حضرت زینبؑ بہت متاثر ہوئیں۔

علی اکبرؑ خوب جانتے تھے کہ ان کو چاہیے کہ ہر شخص سے پہلے اپنے باپ اور خاندان کی حفاظت کے لیے جنگ کو نکلیں۔ چنانچہ بنی ہاشم

میں روز عاشورا اول قتیل اور اول شہید وہی تھے۔

علی اکبرؑ جو ہمشکل رسالت پناہ تھے اپنے باپ کے سامنے آئے اور دست ادب باندھ کر میدان کو جانے کی اجازت چاہی۔

بے شک حسینؑ جانتے تھے کہ علی اکبرؑ شہید ہوں گے، ان کی خواہش تھی کہ ان کو دولھا بنا ہوا دیکھیں اور ان سے اولاد ہو۔

حضرت علی اکبرؑ کے قد و قامت کی طرف نگاہ حسرت کی اور حضرت امام حسینؑ کا بدن کانپنے لگا اور محبت پدری نے جوش مارا اور آثار حزن و ملال آپ کے چہرہ پر نمایاں ہوئے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ وہ جوان جو ان کی اولاد میں ارشد تھا اور جس نے ان کے باپ، بھائی اور بہن کے زیر سایہ تربیت حاصل کی تھی اور اب اس کے پھلنے پھولنے کا زمانہ تھا سر جھکائے سامنے کھڑا ہے اور اجازت کا منتظر ہے تاکہ دشمن کی فوج پر اپنی شمشیر شرربار سے حملہ کر کے بدلہ لے۔

علی اکبرؑ کا میدان کو جانا

حضرت امام حسینؑ روز عاشورا کسی شخص کو خواہ وہ اصحاب و دوست ہوں یا اعزا اور اولاد ہوں میدان میں جہاد و دفاع کیلئے

جانے کا حکم نہیں دیتے تھے بلکہ یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جو اختیاری تھا اور ادب و تربیت و تعلق دینی ہر شخص کو آمادہ کرتا تھا کہ وہ ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرسکے۔

علی اکبرؑ نے جب دیکھا کہ سب اصحاب شہید ہو گئے تو انھوں نے اُس وعدہ کے مطابق جو بنی ہاشم کے جوانوں سے کیا تھا اپنے آپ کو میدان جانے کے لیے تیار کیا۔

علی اکبرؑ اپنے چچا عباسؑ سے سن میں چھوٹے تھے، عباسؑ کی عمر ۳۴ یا ۳۹ سال کی تھی اور علی اکبرؑ کی عمر ۲۸ سال تھی لیکن حضرت ابوالفضل عباسؑ حضرت علی اکبرؑ کا ہر طریقہ سے آقازادہ ہونے کے سبب احترام کرتے تھے۔

علی اکبرؑ بنی ہاشم کے ۳۵ جوانوں میں خاص حیثیت رکھتے تھے اس موقع پر جب حضرت امام حسینؑ مدینہ سے روانہ ہوتے وقت مکان سے باہر تشریف لائے علی اکبرؑ سب انتظام کر رہے تھے اور مع تلوار گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے باپ کے پیچھے پیچھے چلتے تھے۔ آدمیوں پر ان کا اس قدر رعب پڑتا تھا کہ وہ ان کو دیکھ کر کانپنے لگتے تھے میدان جنگ میں علی اکبرؑ کو آتے دیکھ کر لوگ سمجھتے کہ گویا پیغمبرؐ تشریف لے آئے اور ان کے حملہ کے وقت بھاگ جاتے تھے اور

کسی شخص کو ان سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

شیخ مفید کی روایت کے مطابق علی اکبرؑ نے دو مرتبہ جنگ کی اور اپنے باپ کے پاس آئے لیکن تیسری دفعہ دشمن کے گروہ میں سے ایک آدمی نے جس کا نام مرہ بن منقذ عبدی تھا کہا کہ اگر یہ جوان اسی طرح حملہ کرتا رہا اور میرے پاس سے گذرا تو تمام عرب کا گناہ میری گردن پر ہو اگر میں اس کی ماں کو اس کے غم میں نہ رلاؤں۔

اتفاقاً علی اکبرؑ جب تیسری مرتبہ جنگ کر رہے تھے اس کے پاس سے گزرے اور وہ گھات میں کھڑا ہوا تھا ان کے راستہ میں آیا اور نیزہ یا تیر یا آہنی عمود سے ان کو زخمی کر کے گھوڑے سے نیچے گرا دیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ علی اکبرؑ نے اس پر بھی مقابلہ کیا اور اپنے گھوڑے 'عقاب' کی گردن میں ہاتھ ڈال دیئے اور اس کی باگ چھوڑ دی۔ یہ زخمی گھوڑا اپنے زخمی سوار کو فوج کے درمیان سے لیکر خیمہ کے نزدیک پہنچا، اس وقت علی اکبرؑ زمین پر گرے اور آخری سلام کیا۔

ناظرین محترم اگر اس دلسوز واقعہ کو توجہ کی نظر سے ملاحظہ کریں تو محسوس کریں گے کہ امام حسینؑ نے جس وقت اپنے نوجوان کو

میدان میں بھیجا تھا تو ان کے قلب کی کیا حالت ہوئی ہوگی کیونکہ
جو امیدیں علی اکبرؑ سے وابستہ تھیں وہ مفقود ہو رہی تھیں۔
امام مظلومؑ کے اس وقت کے احساسات کے بیان کرنے کی قلم
میں طاقت نہیں ہے، صرف صاحب اولاد یا جوان مردہ ہی
اس منظر کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ہاں!! اٹھائیس ۲۸ سالہ جوان جو تمام فضیلتوں سے آراستہ اور
سب برائیوں سے مبرّا ہو تو کس طرح باپ ان امیدوں اور
آرزوؤں سے جو اُس سے وابستہ ہیں نا امید و مایوس ہو جائے۔

علی اکبرؑ ایسے وقت میدان کو جا رہے ہیں جب باپ کے
دل میں طرح طرح کے خیالات غلبہ کر رہے ہوں گے اور وہ
پریشان ہو رہے ہوں گے

پہلی مرتبہ جب علی اکبرؑ میدان سے واپس آئے تو حسینؑ
کی جان میں جان آئی اور ان کو نہایت محبت سے سینہ سے
لگایا لیکن علی اکبرؑ کی خواہش سے ان کے دل کو بے حد بے چینی
ہوئی کیونکہ انھوں نے ایسی حالت میں پانی مانگا جبکہ اس کا
وجود خیموں میں نہ تھا۔ آپ نے علی اکبرؑ کو تسلی دی اور صبر کا
حکم دیا۔ وہ دوبارہ میدان کو واپس گئے اور خوب جنگ کرکے

لوٹے، باپ نے ان کو سینہ سے لگایا۔ پھر پیاس اور اسلحہ کی گرانی کی شکایت کی۔ حسینؑ بے چین ہو گئے لیکن بوجہ مقام امامت ان کو تسکین دی اور بیٹے کے منہ میں انگشتری دی اور وعدہ کیا کہ وہ بہت جلد اپنے جد ساقی حوض کوثر کے ہاتھ سے سیراب ہوں گے۔

علی اکبرؑ پھر میدان میں واپس آئے لیکن حسینؑ بے چین تھے کبھی خیمہ کے اندر داخل ہوتے تھے اور کبھی باہر آتے تھے کبھی میدان کی طرف متوجہ ہوتے تھے تاکہ اپنے فرزند کی آواز کو سن سکیں۔

ان سے زیادہ حضرت زینبؑ حضرت علی اکبرؑ کی پھوپھی بے چین تھیں ناظرین اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ علی اکبرؑ نے شروع سے اپنی پھوپھی کی گود میں پرورش پائی تھی اور ان کی شفقتوں کا مرکز رہے تھے جس کی وجہ سے معظمہ کو ان سے قلبی لگاؤ تھا۔

جب علی اکبرؑ میدان کو گئے تو کچھ ارباب مقاتل لکھتے ہیں کہ زینبؑ کئی مرتبہ خیمہ سے باہر آئیں اور ایک ٹیلہ کے اوپر جس کا نام "تل زینبیہ" ہو گیا جاتی تھیں اور علی اکبرؑ کی جنگ کا منظر ملاحظہ کرتی تھیں اور پھر خیمہ میں واپس آجاتی تھیں اور اپنے بھائی کو تسلی دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ جب زینبؑ لوٹیں تو ان کے

چہرہ کا رنگ زرد اور ان کی حالت دگرگوں تھی، ایسا معلوم ہوتا
تھا کہ ان کے بدن سے روح نکلنا چاہتی ہے۔ امام حسینؑ باوجود
اس کے کہ محبت پدری کی وجہ سے خود نہایت مضطرب تھے ایک
طرف تو یہ چاہتے تھے کہ اپنی بہن سے پریشانی کا سبب پوچھیں اور
ان کو تسلی دیں، دوسری طرف یہ خواہش تھی کہ اپنی بے قراری
کو ان پر ظاہر نہ ہونے دیں کہ یکایک "یا ابتاہ علیک منی السلام"
کی صدا بلند ہوئی جس کو سن کر حسینؑ بے اختیار ہو گئے اور
بیساختہ دل سے آواز نکلی" ولدی علی قتل اللہ قوماً قتلوک
(اے بیٹا علی، اللہ پاک اس قوم کو ہلاک فرمائے جس نے تجھ کو شہید کیا)
اور فوراً مانند عقاب بیٹے کی جانب دوڑے اور بعض کتابوں میں
تحریر ہے کہ سات مرتبہ پردہ جگر سے آہ، نکل نکل گئی اور پدری
تاثرات ظاہر ہوئے کیونکہ ان کی تمام آرزوئیں خاک میں مل گئیں
جب علی اکبرؑ کے قریب آئے سید الشہداؑ کے قدم باوجود اپنے
امامت کے بلند مقام کے لڑکھڑائے اور بے اختیار زمین پر
بیٹھ گئے اور علی اکبرؑ کے سر کو گود میں رکھا، محبت پدری بڑھی
اور سر کو سینہ سے لگایا اور اس کے بعد اپنا چہرہ علی اکبرؑ کے چہرہ
پر رکھا اور فرمایا اے علی اکبرؑ تم نے تو دنیا کے غم و اندوہ سے

نجات پائی اور تمھارا بوڑھا باپ تمھارے بعد تنہا اور بے یار و مدد
رہ گیا۔

علامہ مجلسی نے بحار کی جلد ۱۰ صفحہ ۲۱۰ میں اور ابن شہر آشوب
نے مناقب میں اور ابو الفرج نے مقاتل الطالبین میں اور دیگر
مورخین نے لکھا ہے:۔

علی اکبرؑ فرزند لیلیٰ بنت ابی مرۃ بن عروۃ بن مسعود ثقفی
نے جو روز عاشورا ۲۸ سال کے اور بقول ابن شہر آشوب ۲۵ سال
کے تھے اپنے پدر بزرگوار سے میدان میں جانیکی اجازت مانگی،
حسینؑ نے اپنی ریش مبارک اپنی مٹھی میں لی اور سر آسمان
کی طرف بلند کر کے عرض کیا۔

حسینؑ کی قاتلانِ علی اکبرؑ پر نفرین

"خداوندا گواہ رہنا کہ میں نے اس قوم کی طرف ایسے
جوان کو بھیجا جو صورت و سیرت و گفتار و رفتار میں بالکل تیرے
رسولؐ سے مشابہ تھا اور جس وقت میں تیرے پیغمبرؐ کے جمال کی
زیارت کا مشتاق ہوتا تھا تو اس جوان کو دیکھ لیتا تھا۔ پروردگارا
زمین کی برکتوں سے اس قوم کو محروم فرما اور اس کے لوگوں میں

ایسا تفرقہ ڈال دے کہ پھر یکجا نہ ہو سکیں اور ان کو جہنم کی آگ کا جس کے

وہ سزاوار ہیں مزا چکھا، تیرے اولیا کبھی ان سے راضی نہ ہوں

کیونکہ انھوں نے مجھ کو اس وعدہ پر بلایا کہ میری مدد و نصرت

کریں گے لیکن جب میں ان کی طرف آیا تو میرے دشمن ہو گئے اور

میرے خلاف جنگ کو اٹھ کھڑے ہوئے۔

اس کے بعد حسینؑ نے عمر سعد کی طرف رخ کیا اور فرمایا:۔

اے پسر سعد تجھ کو کیا ہو گیا ہے خداوند تعالیٰ تیرا رحم

قطع کرے جس طرح کہ تو نے میرا رحم قطع کیا ہے۔ اللہ پاک تجھکو

خوشی نصیب نہ فرمائے اور امید ہے کہ کوئی شخص میرے بعد

تجھ پر غالب آئے گا اور تجھ کو تیرے بستر پر قتل کرے گا کیونکہ تو نے

رسول خدا سے میری قرابت کا پاس نہیں کیا۔

اس موقع پر علی اکبرؑ نے دشمن کے لشکر پر بپھرے ہوئے شیر کی

طرح حملہ کیا اور اپنا مشہور رجز پڑھا جس سے لشکر میں چیخ و پکار

مچ گئی علی اکبرؑ نے ایک سو بیس ۱۲۰ آدمیوں کو قتل کر دیا جب پیاس

کا غلبہ ہوا تو وہ خیمہ گاہ کی طرف واپس آئے اور عرض کیا۔

اے والد بزرگوار پیاس نے مجھ کو ہلاک کر دیا اور ہتھیاروں

کی گرانی نے مجھ کو پریشان کر دیا پس کیا پانی ملنے کی کوئی سبیل ہے

کہ میں اس کے ذریعہ سے دشمنوں پر قوت حاصل کروں۔

امام حسینؑ نے اس گفتگو اور ان کی عجیب خواہش پر گریہ فرمایا اور کہا "میرے پیارے فرزند" مجھ پر یہ بات بہت گراں ہے کہ تم اپنے باپ سے پانی مانگ رہے ہو اور میں اس خواہش کے پورا کرنے سے مجبور ہوں پھر فرمایا کہ اپنی زبان کو میرے منہ میں رکھو، جب علی اکبرؑ نے اپنی زبان کو پدر بزرگوار کے منہ میں رکھا تو ان کو اپنے سے زیادہ پیاسا پایا۔ اس کے بعد اپنی انگشتری ان کے منہ میں رکھی اور فرمایا کہ اس کو منہ میں رکھے رہو اور دشمن کی جانب جاؤ کیونکہ مجھ کو امید ہے کہ بہت جلد تم اپنے جد کے ہاتھ سے سیراب ہو گے۔

علی اکبرؑ میدان کی طرف واپس آئے اور دوبارہ جنگ کرنے میں مشغول ہوئے اور دوسرا رجز پڑھا لیکن چونکہ مسلسل جنگ اور پیاس نے ان کو نڈھال کر دیا تھا منقذ بن مرۃ عبدی نے آپ کے سر مبارک پر گرز مارا اور ان کو بے لبس کر دیا اور بیچیا لشکریوں نے اپنی خباثت اور دشمنی سے ان کے بدن مبارک پر تلواروں کے لگاتار وار لگائے۔

علی اکبرؑ نے اپنے ہاتھ اپنے گھوڑے عقاب کی گردن میں

ڈال دیئے تاکہ وہ میدان جنگ سے باہر آجائے۔ لیکن بدبختوں نے ان کو اس قدر زخمی کر دیا کہ وہ زمین پر گرے اور آواز دی۔

"یا ابتاہ ھذا جدی رسول اللہ قد سقانی بکاسہ الاوفی شربۃ لا اظمأ بعدھا ابدا وھو یقول العجل العجل فان لک کاساً مذخورۃ حتی تشربھا الساعہ، فشھق شھقہ فارق الدنیا"

(اے بابا! یہ میرے جد رسول اللہ ہیں جنھوں نے ایسے لبریز جام سے میری پیاس بجھائی ہے کہ اس کے بعد پھر کبھی میں پیاس محسوس نہ کروں گا اور وہ فرماتے تھے جلدی آؤ جلدی آؤ اس لیے کہ آپ کے لیے ایک اور جام محفوظ ہے جس کو آپ ابھی نوش فرمائیں گے۔ پس وہ گرے اور دنیا چھوڑ کر رخصت ہو گئے)

حضرت امام حسینؑ اس وقت جب آپ علی اکبرؑ کی طرف عقاب کی مانند تیزی سے تشریف لا رہے تھے یہ فریاد باواز بلند کر رہے تھے۔

"قتل اللہ قوماً قتلوک یا بنی ما اجراھم علی الرحمٰن وعلی رسولہ وعلی انتھاک حرمۃ

الرسول، علی الدنیا بعدک العفا"

(اے میرے بیٹے، خداوند تعالیٰ اس قوم کو ہلاک کرے

جس نے تجھ کو قتل کیا، کس چیز نے اس قوم کو خدا و رسولؐ پر

اس قدر بیباک کر دیا ہے کہ ان کی حرمت کی ہتک پہ آمادہ ہو گئے

ہیں، تیرے بعد دُنیا پر خاک)

روایت میں ہے کہ جب امام حسینؑ علی اکبرؑ کے سرہانے پہنچے اور ان کو جانکنی کی حالت میں دیکھا تو اسی جگہ بے اختیار زمین پر بیٹھ گئے کیونکہ ایسے ارشد فرزند کی موت نے ایسی عظیم شخصیت کو بے قابو کر دیا۔

حمید بن مسلم کہتا ہے کہ اس موقع پر میری نظر ایک بلند قد خاتون پر پڑی جو خیمہ گاہ سے دوڑتی ہوئی باہر آئیں اور فریاد کرتی تھیں۔

وائے میرے بچے علی اکبرؑ، اے میرے حبیب، اے میرے میوۂ دل اے میرے نورِ چشم۔

میں نے پوچھا کہ یہ خاتون کون ہیں، لوگوں نے بتایا کہ زینبؑ دخترِ علی علیہ السلام ہیں۔ جب ان کی نظر علی اکبرؑ کی نعش پر پڑی اپنا سر پیٹا اور چیخ چیخ کر رونے لگیں جب امام حسینؑ نے ان کو

دیکھا ان کا ہاتھ پکڑا اور خیام حرم کی طرف لوٹا دیا اور پھر بنی ہاشم کے جوانوں کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ آؤ اپنے بھائی علی اکبرؑ کی نعش کو اٹھاؤ اور خیموں کی طرف لے چلو۔

ابوالفرج لکھتے ہیں کہ ابوطالبؑ کے خاندان کے پہلے شہید علی اکبرؑ تھے انھوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی اور ان کی کنّیت ابوالحسن تھی۔

احمد بن سعید نے اپنی اسناد سے سعید بن ثابت غیار سے یہی روایت نقل کی ہے۔

جنگ و شہادتِ علی اکبر علیہ السّلام

حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے متعلق بہت سی معتبر تاریخی روایات ہیں۔

ابی مخنف نے اور سید ابن طاوس نے لہوف میں مبارزین آل ابی طالبؑ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

علی اکبرؑ قاسم بن حسنؑ کے بعد میدان کو گئے اور اپنا رجز پڑھا اور قلب لشکر پر حملہ کیا اور دشمن کی فوج کے ایک سو اسّی آدمیوں کو قتل کیا اس وقت الحذر الحذر کی آواز بلند ہوئی۔ ایک ملعون

گھات میں کھڑا ہوا تھا تاکہ علی اکبرؑ پر حملہ کرے اس نے آہنی گرز کی ضرب سے علی اکبرؑ کو گھوڑے سے نیچے گرا دیا اور آپ نے اپنے پدر بزرگوار کو آواز دی۔

اے پدر بزرگوار آپ پر میری طرف سے سلام ہو، پس یہ میرے جد رسولؐ اللہ ہیں اور یہ میرے دادا امیرالمومنین علیؑ اور یہ میری دادی خدیجۃ الکبریٰ اور یہ میری دادی فاطمہ زہراؑ صلوات اللہ علیہا ہیں اور یہ سب فرما رہے ہیں جلدی آؤ جلدی آؤ اور یہ حضرات آپ سے ملاقات کے لیے بیچین ہیں اس کے بعد آپ کی روح پرواز کر گئی۔

ابی مخنف نے لکھا ہے کہ جب علی اکبرؑ شہید ہو گئے تو حرم کی خواتین میں دفعتاً رونا پیٹنا شروع ہو گیا اور وہ خیموں سے باہر نکل آئیں امام حسینؑ نے ان سے فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ اور ان کو حرم کے خیموں میں پہنچا دیا اور خود آہِ سرد دل سے نکالی۔

شیخ طاہر سماوی نے " ابصار العین فی انصار الحسین میں لکھا ہے۔

حضرت علی اکبرؑ حضرت عثمان کی خلافت کے شروع زمانہ میں پیدا ہوئے اور اپنے دادا حضرت علی علیہ السلام سے حدیث

بیان فرماتے تھے۔

حضرت عثمان کی خلافت ۲۳-۳۲ھ ہجری میں شروع ہوئی لہذا حضرت علی اکبرؑ کی عمر ۲۰ سال کی تھی اور اپنے جد امجد کے سایہ میں سات سال زندگی بسر کی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مورخین قرون وسطیٰ نے تحقیقات کی تکلیف گوارا نہیں کی جس کی وجہ سے آپ کے اٹھارہ ۱۸ سالہ ہونےکی شہرت ہو گئی۔

قرون اولیٰ کے تمام مورخین نے علی اکبرؑ کا سن ۲۵-۲۸ لکھا ہے یہ غلطی غالباً اس طرح ہوئی ہے کہ ثمان عشر ۲۸ بن کو کسی نے ثمان عشر ۱۸ پڑھ لیا ہے چنانچہ اٹھارہ ۱۸ سالہ ہونے کی شہرت ہو گئی۔

شیخ مفید نے حضرت علی ابن الحسینؑ کی پیدائش ان کے دادا امیر المومنینؑ کی وفات کے دو سال بعد لکھی ہے۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان کا مقصد حضرت علی اکبرؑ کی پیدائش سے ہے یا حضرت سجاد زین العابدین سے ہے کیونکہ شیخ مفید کی جلالت اس بات سے بالاتر ہے کہ ہم کہیں کہ ان کو غلط فہمی ہوئی ہے لہذا ہم کو کتابت یا چھاپہ خانہ کی غلطی ماننا پڑے گی کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ سنگی چھاپہ خانے کے غلطی پکڑنے والے اور کاتب اپنے عقیدہ کے مطابق ترمیم

کر لیتے ہیں۔

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ شیخ مفید نے جو علی بن الحسینؑ کا پیدائش لکھا ہے وہ حضرت سجادؑ کے متعلق ہے تب بھی اختلاف باقی رہتا ہے کیونکہ مورخین نے بالاتفاق حضرت سجاد کی ولادت کا سال ۳۸ھ لکھا ہے۔

بہر صورت جب مورخین کو اس کا علم ہے کہ علی اکبرؑ ۳۳ھ ہجری میں اور حضرت سجادؑ ۳۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس بنا پر انھوں نے علی اکبرؑ کی عمر واقعہ کربلا کے وقت اٹھارہ سال لکھ دی۔

شلبنجی و ابوالفرج و ابو مخنف و سید و مجلسی اور تمام صاحبان انساب نے حضرت علی اکبرؑ کی والدہ ماجدہ کا نام لیلیٰ دختر ابی مرۃ بن مسعود ثقفی لکھا ہے اور سب نے بالاتفاق بیان کیا ہے کہ حضرت علی اکبرؑ صورت و سیرت و گفتار و رفتار میں اپنے جد رسولؐ خدا سے مشابہ تھے۔

آپ کی کنیت ابو الحسن اور لقب اکبرؑ تھا کیونکہ یہ سب سے صحیح روایت ہے کہ علی اکبرؑ حضرت امام حسینؑ کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ ابوالفرج اور دوسرے مورخین نے بھی اس بات کی تصریح

کی ہے کہ انصار کے بعد بنی ہاشم کے سب سے پہلے شہید علی اکبرؑ تھے۔

جب آپ نے اپنے پدر بزرگوار کی تنہائی محسوس کی آپ ان کی خدمت میں ——— اُس گھوڑے پر جس کو ذوالجناح کہتے تھے سوار ہوکر حاضر ہوئے اور جنگ کے لیے جانے کی اجازت چاہی، آپ تمام بنی ہاشم میں سب سے زیادہ خوبصورت اور خوش رفتار تھے۔

حضرت امام حسینؑ نے جب علی اکبرؑ کو اس شان سے دیکھا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور خاموش ہوگئے، پھر فرمایا۔

خداوندا گواہ رہنا کہ اس قوم کی طرف میں نے اپنے ایسے فرزند کو بھیجا جو صورت و سیرت اور گفتار و رفتار میں تیرے رسولؐ کی مانند ہے اور جب میں تیرے پیغمبرؐ کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا تو اس کو دیکھ لیتا تھا۔

اس کے بعد آپ نے باآواز بلند فرمایا۔

اے پسر سعد خداوند کریم تیری نسل لڑکے کی طرف سے اسی طرح قطع فرمائے جس طرح تو نے میرے نسب کو لڑکے کی طرف سے

۱۵؎ ابوالفرج کی اس روایت سے دو چیزیں اخذ ہوئی ہیں، ایک یہ کہ آپ کی والدہ لیلیٰؑ کربلا میں نہیں تھیں اور دوسرے یہ کہ آپ ذوالجناح پر سوار ہوئے نہ کہ عقاب پر اور حضرت امام حسینؑ کا خاص گھوڑا گھوڑا مرتجز (دلدل) تھا۔

قطع کیا اور جناب رسالتمآبؐ سے میری قرابت کا کچھ لحاظ نہ کیا۔

علی اکبرؑ نے ان باتوں سے اخذ کیا کہ حضرت نے ان کو اجازت

عطا فرما دی اور اس قوم پر حملہ کیا اور حسب ذیل رجز پڑھا۔

(۱) انا بن الحسین بن علی نحن، وبیت اللہ اولی بالنبی

میں حسینؑ کا فرزند اور علیؑ کا پوتا ہوں۔ خانۂ خدا کی قسم ہم

پیغمبرؐ سے سب سے زیادہ قریب ہیں۔

(۲) اضربکم بالسیف حتی یلتوی

ضرب غلام ہاشمی علوی

میں تم کو اپنی تلوار سے اس وقت تک قتل کروں گا جب تک کہ

وہ خم نہ ہو جائے۔ علیؑ اور ہاشم کے خاندان کے جوان کی ضربیں دیکھو۔

(۳) ولا ازال الیوم احمی عن ابی

تاللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

آج میں اپنے باپ کی مسلسل مدد کرتا رہوں گا، خدا کی قسم

زنا زادہ ہمارا حاکم نہ ہو گا۔

علی اکبرؑ نے پے در پے حملے کئے اور پلٹ کر اپنے باپ کی خدمت

میں آئے اور عرض کیا کہ اے بابا، پیاس نے مجھ کو مار ڈالا اور

حسینؑ نے گریہ فرمایا اور کہا کہ اے بیٹا میرے پاس پانی کہاں ہے تھوڑی دیر اور جنگ کرو اور صبر کرو۔ بہت جلد تم اپنے جد رسول اللہؐ سے ملاقات کرو گے اور آنحضرتؐ تم کو ایسے لبریز جام سے سیراب کریں گے پھر تم کو کبھی پیاس نہ لگے گی۔

دوبارہ علی اکبرؑ نے اپنے باپ اور دادا کی شجاعت دکھلائی اور دشمنوں پر حملہ کیا یہاں تک کہ مرۃ بن منقذ عبدی نے ایک تیر مارا جوان کے حلق مبارک پر لگا۔

ابوالفرج نے حمید بن مسلم ازدی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا کہ میں مرۃ بن منقذ کے پہلو میں کھڑا ہوا تھا اور علی بن الحسینؑ دائیں بائیں حملہ کر رہے تھے اور لشکریوں کو بھگا رہے تھے۔ مرۃ نے کہا کہ تمام عرب کا گناہ میری گردن پر ہو کہ اگر یہ جوان میرے پاس سے گذرے اور میں اس کی ماں کو سوگ نشیں نہ کروں۔ میں نے اس سے کہا کہ ایسا نہ کہو، یہ گروہ جوان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے ان کے لیے کافی ہے۔ اس نے کہا کہ میں ضرور اس کام کو کروں گا۔

جب علی اکبرؑ ہمارے پاس سے گذرے وہ ایک جماعت کا پیچھا کر رہے تھے، مرۃ نے اچانک اپنا گرز ان کے سر پر مارا اور

علی اکبرؑ اپنے زین کے قربوس پر گرے اور گھوڑے کی گردن میں
ڈال دیئے اس حال میں سنگدل دشمن ان کی طرف دوڑ پڑے
تلواروں سے لگاتار وار لگائے اور ان کے بدن کو پارہ پارہ کر
بیشتر اس کے کہ دنیا سے رخصت ہوں علی اکبرؑ نے نعرہ لگایا

اے میرے مہربان باپ، آپ پر میرا سلام ہو، یہ میرے
محمد مصطفیٰؐ ہیں جنھوں نے اپنے لبریز جام سے مجھ کو سیراب فرما
اور آج کی رات آپ کے انتظار میں ہیں۔

امام حسینؑ نے اس گروہ پر حملہ کیا اور ان کو تتر بتر کر دیا
علی اکبرؑ کے پاس پہنچے اور ان کے قریب کھڑے ہو گئے اور ان
بدن پارہ پارہ دیکھ کر رو رہے تھے اور فرماتے تھے۔

اے میرے فرزند! خداوند تعالےٰ ان لوگوں کو موت دے
جنھوں نے تجھ کو قتل کیا، کس چیز نے ان کو اس قدر بیباک کر
ہے کہ خدا و رسولِ خدا کی بے حرمتی کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے
اس کے بعد اپنے آنسوؤں کو پونچھا اور فرمایا۔

"تیرے بعد دنیا پر خاک"

ابو مخنف و ابوالفرج، حمید بن مسلم ازدی سے روایت کرتے
کہ اس نے کہا کہ ایک خاتون کو میں نے خیمہ گاہ سے باہر آتے

جو برابر یہ کہہ رہی تھیں، اے میرے حبیب، اے میرے بھائی کے فرزند، ہیں سے نے دریافت کیا کہ یہ خاتون کون ہیں، لوگوں نے بتایا کہ یہ زینبؑ دختر علیؑ ہیں، وہ تشریف لائیں اور بے تحاشا علی اکبرؑ کی نعش پر گر پڑیں اور رونے لگیں۔

امام حسینؑ نے ان کو اٹھایا اور خیمہ گاہ پر پہنچا آئے اور ہاشمی جوانوں سے فرمایا کہ اپنے بھائی کی لاش اٹھاؤ۔ لہذا وہ سب لاش کو خیمہ کی طرف لے گئے اور خیمہ گاہ کے برابر رکھ دیا۔ علی اکبرؑ شہید ہو گئے اور کوئی فرزند نہ چھوڑا۔

خون پاک علی اکبرؑ

ابن قولویہ نے "کامل الزیارت" کے صفحہ ۲۲۲ پر اپنی سند سے روایت کی ہے کہ جب امام جعفر صادقؑ قبر امام حسینؑ پر چہارشنبہ، پنجشنبہ اور جمعہ کو زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور جب علیؑ بن حسینؑ کی قبر پر جو آنحضرتؐ کے پائین پا ہے پہنچتے تھے تو کھڑے ہو جاتے تھے اور یوں پڑھتے تھے:۔

"السلام علیک یابن رسول اللہ ورحمۃ اللہ و برکاتہ مفاعضۃ کما طلعت شمس او غربت السلام علیک

وعلی روحک و بدنک بابی انت و امی من مذبوح

من غیر جرم بابی انت و امی دمک المرتقی بہ الی

حبیب اللہ بابی انت و امی من مقدم بین یدی

ابیک یحتسبک ویبکی علیک محترقاً و علیک

قلبک یرفع دمک بکفہ الی عنان السماء لا یرجع

منہ قطرۃ لا تسکن علیک من ابیک زفرۃ"

(اے فرزند رسول آپ پر سلام اور خدا کی رحمتیں اور برکتیں

بڑھ چڑھ کر شامل حال رہیں جب تک سورج طلوع و غروب

ہوتا رہے، آپ پر سلام آپ کی روح پر سلام آپ کے بدن پر

سلام، میرے ماں باپ نثار ہوں اس پر جو بے خطا ذبح کرڈالا گیا

میرے ماں باپ قربان ہوں اس پر جس کا لہو حبیبؐ خدا تک پہنچا

میرے ماں باپ صدقہ ہوں اس پر جس کا باپ رو رو کے اپنے

جلے ہوئے دل سے آہیں بھر بھر کے بین کرتا رہا اور جس کا خون

چلو میں سے لیکر جانب آسمان پھینکتا رہا، نہ اس کے خون کا

کوئی قطرہ پلٹ سکا اور نہ اس کے غم میں باپ کے آنسو تھم سکے)

فقرہ " المرتقی بہ الی حبیبؐ اللہ " سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت

ریش مبارک اور اپنے لباس سے پاک کرتے تھے۔ شاید امامؑ کی اس عمل سے یہ مصلحت ہو کہ ان دونوں فرزندوں کے خون کو قیامت کے دن کے لیے ذخیرہ کرلیں تاکہ اُسے ذریعہ حجت اور وسیلۂ شفاعت بنائیں۔

ہاں! اسلام کی راہ میں تمام شہیدوں کے خون کو روز قیامت امتیاز حاصل ہوگا۔ شہداء اُحدؓ کا خون قیامت کے دن اپنی مشک جیسی خوشبو سے صحرائے محشر کو معطر کردے گا۔

اور ان دو خورد سالہ آقا زادوں کا خون رنگ و بو سب میں سب سے زیادہ باثر ہوگا۔

لیکن علی اصغرؑ کے خون کو تمام شہداء کے خون پر اہمیت ہے کیونکہ کسی مذہب و ملت میں طفل شیرخوار گنہگار نہیں سمجھا جاتا اور ظلم و ستم کا اپنے آخری حد تک پہنچنے کے بعد بھی شیرخوار بچہ سے کوئی سروکار نہیں ہوتا اور آل امیہ نے رسالتمآبؐ کے چھوٹے اور بڑے جگر گوشوں کو قتل کرنے میں رحم نہیں کیا۔

ان دونوں شہزادوں کے خون کی خداوند کریم کی بارگاہ عدل میں قدر و منزلت ہے کیونکہ انھوں نے اپنے آپ کو امام حسینؑ کے

لہ سیرۃ ابن دحلانی سیرۃ حلبیہ کے حاشیہ کے صفحہ ۶ جلد ۲ پر۔

نیک مقصد کے لیے فدا کیا تاکہ قیامت کے دن شفاعت کا قوی وسیلہ ہوں۔

اسی طرح حضرت ابوالفضل عباسؑ کا خون جو آپ کی پیشانی پر دشمن کے گرز کی ضرب سے جاری ہوا اور ان کے دونوں ہاتھ جو قطع ہوئے اور ان کے عوض مثل حضرت جعفر طیارؓ کے ان کو آسمانی پر عطا ہوئے روز محشر شفاعت کا ذریعہ ہوں گے۔

بہت سی روایتوں میں ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ قیامت کے دن جب محشر کے صحرا میں وارد ہوں گی تو ابوالفضل عباسؑ کے کٹے ہوئے ہاتھ اور اپنے پدر بزرگوار کے دندان شکستہ اور اپنے فرزند حسینؑ کا پارہ پارہ لباس ان کے ہاتھ میں ہوں گے اور ان کے ذریعہ سے امت کی شفاعت کریں گی [۱]

ایک روایت میں ہے کہ حسینؑ کے خون کو ملائکہ آسمان پر لے گئے شیخ صدوق نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے ملائکہ کو پیدا کیا اور ان کو حکم دیا کہ حسینؑ کے خون کو سبز شیشہ میں رکھیں اور اس کی

---

[۱] اربلی کی کشف الغمہ کے صفحہ ۱۹۲ پر اور صاحب الاتحاف بحب الاشراف کے صفحہ ۱۴۱ پر

حفاظت کریں۔

ابن عباسؓ نے خواب دیکھا کہ رسولؐ خدا نہایت پریشانی کی حالت میں بیٹھے ہیں اور دو شیشے جو خون سے پُر ہیں آنحضرتؐ کے سامنے رکھے ہیں میں نے عرض کیا کہ یہ خون کس کا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ خونِ حسینؑ اور ان کے اصحاب کا ہے جواب تک خشک نہیں ہوا

مقاتل میں لکھا ہے کہ جب حرملہ نے سہ شعبہ زہر آلود تیر حضرت علی اصغرؑ کے پھول سے گلے پر مارا تو حضرت امام حسینؑ نے وہ خون اپنے چلّو میں لے لیا اور آسمان کی طرف پھینکا، اس خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر واپس نہیں آیا۔

شیخ مفید نے مسار الشیعہ میں روایت کی ہے کہ جو شخص شب عاشورا حضرت امام حسینؑ کی قبر کے نزدیک صبح تک سوئے خداوند تعالیٰ اس کو حسینؑ کے اجر شہادت میں شریک فرماتا ہے۔

"قدامہ" نے حضرت سجاد علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ حضرت امام حسینؑ کی برکت سے ان کے زائرین کو سب آدمیوں پر فضیلت عطا فرماتا ہے اور ملائکہ کو پیدا کیا ہے جو ان کی قبر کے نزدیک رہتے ہیں اور زیارت

پڑھتے ہیں۔ قیامت کے دن حضرت امام حسینؑ کے زائرین کے نورانی چہرے صحرائے محشر میں چمکیں گے اور وہ ہول قیامت سے محفوظ رہیں گے۔

شہادت علی اکبر علیہ السلام

اس بزرگ آقازادے کی شہادت کے مقام کی بیان کرنے اور تحریر کرنے کی زبان اور قلم میں طاقت نہیں ہے۔ کسی شخص میں علی اکبرؑ کے اوصاف حمیدہ بیان کرنے کی قدرت نہیں ہے۔

علی اکبرؑ صورت و سیرت، رفتار و گفتار میں رسالتمآبؐ کا سرتاپا آئینہ تھے۔

پیغمبرؐ کی وفات کے بعد صحابہ کو جب جمال نبوی کی زیارت کی خواہش ہوتی تھی تو وہ حاضر ہوتے تھے اور اس جوان ہاشمی کی صحبت سے بہرہ مند ہوتے تھے اور اس کے حسن اخلاق سے محظوظ ہوتے تھے۔

حضرت امام حسینؑ کو علی اکبرؑ سے ان کے شبیہ پیغمبر ہونے کی وجہ سے دلی لگاؤ تھا، وہ جانتے تھے کہ جناب رسالتمآبؐ اب دنیا میں واپس نہیں آئیں گے مگر ان کو یہ اطمینان تھا کہ جب اپنے جد امجد

کی زیارت کے مشتاق ہوں گے تو علی اکبرؑ کو دیکھ لیا کریں گے، مگر یہ خیال کہ ان کا لخت جگر جلد جام شہادت پیئے گا ان کے دل کو مجروح کر دیتا تھا اور اس پر وہ گریہ فرماتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ جب علی اکبرؑ نے میدان میں جانے کا قصد کیا تو امام حسینؑ نے اپنی ریش مبارک کو مٹھی میں لیا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر آسمان کی طرف دیکھا اور عرض کیا۔

"ان اللہ اصطفٰی آدم و نوحًا و آل ابراھیم و آل عمران علی العالمین ذریۃ بعضھا من بعض واللہ سمیعٌ علیمٌ (پارہ ۳، سورہ آل عمران آیۃ ۳۳،۳۴)

(بے شک خدا نے آدم اور نوح اور خاندان ابراہیم اور خاندان عمران کو سارے جہاں سے برگزیدہ کیا ہے۔ بعض کی اولاد کو بعض سے اور خدا سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے)

اور یہ کنایہ اس وجہ سے تھا کہ علی اکبرؑ کی شہادت سے ان کی ذریت بھی ہاتھ سے جا رہی ہے۔

چلتے وقت سر اٹھا کر فرمایا:۔

"خداوندا تو گواہ رہنا کہ میں ایسے فرزند کو اس قوم کی طرف بھیج رہا ہوں جو تیرے رسول اعظم کا سراپا شبیہ تھا۔"

علی اکبرؑ نے آفتاب درخشاں کی مانند میدان کربلا کو روشن کردیا
لشکر کے بہت سے سپاہی ان کے جمال کو دیکھ کر متحیر ہو گئے اور
آپس میں کہنے لگے کہ ہماری لڑائی پیغمبرؐ سے نہیں ہے ۔ بعضوں نے
کہا کہ یہ جوان علیؑ کی جلالت کے ساتھ میدان میں آیا ہے اور
فاطمہؑ کی عصمت اور حسنؑ بن علیؑ کا وقار اس کے چہرہ سے نمایاں
ہے ۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ علی اکبرؑ ہیں جو شبیہ پیغمبرؐ ہیں اور علیؑ کے
نمایندہ اور حسینؑ کے لخت جگر ہیں ۔ علی اکبرؑ محسوس کر رہے تھے
کہ دشمن ان کی طرف خونخوار نظروں سے دیکھ رہے ہیں اور ان کو
قتل کرنا چاہتے ہیں ۔

علی اکبرؑ نے بآواز بلند رجز پڑھا اور مانند شیر ژیان دشمنوں
کی صفوں پر حملہ کیا اور بنی ہاشم کی شجاعت دکھلائی اور اس قدر
تلوار کے وار کئے کہ لشکریوں کی زبان سے " الحذر الحذر " کی صدا
بلند ہوئی ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علی اکبرؑ بپھرے ہوئے شیر کی
طرح اس قوم پر حملہ کر رہے ہیں کبھی میمنہ کی طرف حملہ کرتے تھے
اور کبھی میسرہ کی طرف اور کبھی قلب لشکر کو پسپا کرتے تھے ۔

آپ اس جوش و خروش سے جنگ میں مشغول تھے کہ کسی
شخص میں ...

کسی آدمی کو آپ سے مقابلہ کرنے کی جراَت نہیں ہوئی یہاں تک کہ آپ نے ایک سو بیس (۱۲۰) آدمیوں کو قتل کر دیا۔

لیکن زخموں کی کثرت اور اسلحہ کی گرانی نے آپ پر پیاس کا غلبہ کیا لہٰذا حرم کی طرف واپس آئے تاکہ دوبارہ اپنے پدر بزرگوار کے جمال کی زیارت کریں اور ان کی زبان سے سیراب ہو کر اپنی جان نثار کریں۔

آپ نے اپنے باپ سے پیاس اور اسلحہ کی گرانی کی شکایت کی۔ اس وقت حسینؑ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ با ادب اور باکمال بیٹا ان سے پانی کی خواہش کر رہا ہے اور ان میں اس بات کی قدرت نہیں ہے کہ وہ اس کی حاجت کو پورا کریں۔

ستاون (۵۷) سالہ باپ نے اپنے بیٹے کو ایسا عملی جواب دیا جس کو سن کر ہر سننے والا کانپ جاتا ہے۔

آپ نے علی اکبرؑ کو قریب بلایا اور سینہ سے لگایا اور اپنی زبان علی اکبرؑ کے منہ میں یا علی اکبرؑ کی زبان اپنے منہ میں رکھی اور پھر فرمایا کہ میدان کو جاؤ اور تم اپنے جد کے ہاتھ سے سیراب ہو گے۔

شاید آپ چاہتے تھے کہ اس وسیلہ سے اپنے فرزند کو بتائیں

کہ وہ ان سے زیادہ پیاسے تھے یا چاہتے تھے کہ اپنی معجز نمائی سے سرچشمۂ آب حیات علی اکبرؑ کے دہن میں جاری کر دیں۔

علی اکبرؑ میدان میں واپس آئے اور نہایت اطمینان اور بشاشت سے مثل اپنے جد کے دشمن پر حملہ کیا گویا جنگ کی تھکن کو بالکل بھول گئے آپ برابر دشمن کی صفوں پر حملہ کر رہے تھے کہ یکایک ابن منقذ عبدی نے جو گھات میں کھڑا تھا آپ پر شمشیر کا وار کیا اور دشمنوں نے چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا اور تلواروں کے وار سے آپ کا بدن بے حد زخمی کر دیا۔

جب علی اکبرؑ نے اپنے پدر بزرگوار کو آواز دی آپ زمین پر گر چکے تھے۔ امام حسینؑ غصہ میں دشمن کی جانب دوڑے اور انکو عذاب الیم سے خبردار کیا اور اپنے جوان پسر کے سرہانے پہنچے اور بے اختیار زمین پر بیٹھ گئے اور علی اکبرؑ کا سر گود میں رکھا، اس وقت آنسوؤں کا تار آپ کی ریش مبارک پر جاری تھا۔

حضرت ابو عبداللہ گو کہ ایک آسمانی شخصیت رکھتے تھے لیکن قالب عنصری میں تھے، وہ اپنے فرزند دلبند سے بے حد محبت کرتے تھے۔

آرزوؤں کی ایک دنیا مثل ہر باپ کے ان سے وابستہ تھی

اپنے پارۂ جگر کو خون میں غرق دیکھ کر آپ کی جسمانی طاقت نے جواب دے دیا اور آپ اپنے جوان بیٹے کی نعش نہ اٹھا سکے۔

آپ نے دل سے آہ نکالی اور بنی ہاشم کے جوانوں کو پکارا کہ آؤ اور علی اکبرؑ کے جنازہ کو لے چلو۔

لیکن اس ناتوانی کی حالت میں ایک زبردست قوت نے امام حسینؑ کو حرکت دی۔ کیا ناظرین جانتے ہیں کہ وہ قوت کیا تھی جس نے ابو عبداللہ کو اپنی جگہ سے کھڑا کر دیا، وہ ان کی خواہر زینبؑ کی پریشان حالی تھی طبری کی روایت ہے کہ امامؑ نے اچانک دیکھا کہ ان کی بہن خیمہ سے سراسیمہ باہر آگئیں اور فریاد کرتی تھیں اے علیؑ میرے میوہ دل، میرے جد کی یادگار، اور دوڑتی ہوئی جنازہ کے قریب آگئیں، ابو عبداللہ فرط حیا سے ہمت کر کے اٹھ بیٹھے اور خواہر کا استقبال کیا اور آواز دی کہ اے حرم کی عورتوں زینب کو یہاں سے لیجاؤ اور ان کے نزدیک پہنچکر جبکہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اپنی دکھیاری بہن کو خیمہ میں پہنچا آئے[1]۔ اس حال کو سوائے جوان مردہ کے کوئی محسوس نہیں کر سکتا۔

---

[1] اعلام الوری صفحہ ۱۴۵

علی اکبرؑ وداعی سلام کے بعد صرف اپنے پدر بزرگوار کے وعدہ کو عرض کریں گے :۔

"هذا جدي رسول الله قد سقاني بكاسه الاوفى شربة لا اظمأ بعدها ابدًا وهو يقول ان لك كاسًا مذخورة"

(اے بابا! میرے جد رسول خدا کے ہاتھ میں پانی کے دو جام تھے جن میں سے ایک کو آپ کے وعدہ کے مطابق مجھ کو دیا جس کو پیکر میں اس قدر سیراب ہو گیا کہ پھر کبھی مجھ کو پیاس نہ لگے گی اور میرے جد نے فرمایا کہ دوسرا کاسہ آپ کے لیے رکھ لیا ہے)

حسینؑ نے علی اکبرؑ کا سر سینہ سے لگایا ایک طرف محبت پدری کا جوش تو تھا ہی دوسری طرف علی اکبرؑ کی اس گفتگو نے پیغمبرؐ کی یاد بھی تازہ کر کے غم کو اور بڑھا دیا، سر کو اور اونچا کیا اور اپنے چہرہ کو اپنے دلبند کے چہرہ پر رکھ دیا اور آنسو بہاتے ہوئے فرمایا۔

اے علی جان، تیرے بعد دنیا پر خاک

علی اکبرؑ نے اس حال میں جبکہ آپ کا خون آلود چہرہ باپ کے چہرہ پر تھا اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

ان کے باپ اپنی ٹوٹی کمر تھام کر اٹھے اور خیمہ کی طرف رخ کر کے فرمایا۔

اے بنی ہاشم کے جوانو! آؤ اور حسینؑ کی مدد کرو اور اپنے بھائی کی نعش کو خیمہ میں لے چلو۔ جوان آئے اور علی اکبرؑ کی لاش عقاب کی پشت پر رکھ کر خیام کی طرف لے گئے۔

حضرت زینبؑ کبریٰ نے نہایت سراسیمگی کی حالت میں استقبال کیا اور اپنا سر پیٹا اور اپنے بھتیجے کی لاش پر گر گئیں اور حرم کی تمام خواتین کے رونے اور چیخنے کی آواز بلند ہوئی۔

عقاب حضرت علی اکبرؑ کی سواری کا گھوڑا تھا

"واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم واخرين من دونهم" (پارہ ۱۰ سورہ الانفال آیۃ ۶۰)

(مسلمانو! ان کفار کے (مقابلہ کے) واسطے جہاں تک تم سے ہو سکے (اپنے بازو کے) زور سے اور بندھے ہوئے گھوڑوں سے (لڑائی کا سامان) مہیا کرو، اس سے خدا کے دشمن اور اپنے دشمن اور اس کے سوا دوسرے لوگوں پر بھی اپنی دھاک بٹھالو گے)

اسلام تمام آسمانی کتابوں میں اس بات میں ممتاز ہے کہ اس کے آئین مادہ و معنی، روح و جسم اور حفظ دین و دنیا پر مبنی ہیں۔ اسلام نے جس قدر روحی تربیت کو اہمیت دی ہے اسی قدر جسم و بدن کی تربیت کی طرف توجہ دی ہے۔

اسلام کی نظر میں دین و دنیا یکساں ہے اور بقول "من لا معاش لہ لا معادلہ" (جس کے پاس روزی نہیں اس کی آخرت کبھی درست نہیں ہو سکتی) ع

پراگندہ روزی پراگندہ دل

مادیت کے راستہ سے ہی انسان معنویت کی طرف ترقی کر سکتا ہے۔

اسلام نے تیر اندازی اور گھوڑے کی سواری ہر دیندار جوان کے لیے شرط اول رکھی ہے تاکہ مسلمانوں میں دلیری پیدا ہو اور دشمن کے مقابلہ میں حق کو منوا سکیں، عزت و ناموس، دین و وطن اور اپنے مال و اسباب کی دشمن کی دستبرد سے حفاظت کر سکیں۔ اسلامی فقہ میں گھوڑ دوڑ اور تیر اندازی کے باب کو ایک اونچا مقام دیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا آیت میں اللہ پاک مسلمانوں کو آگاہ فرماتا ہے کہ دفاع کے لیے جنگ کا ساز و سامان مہیا کرنے میں مستعد رہیں۔

خداوند تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو جنگ میں ثابت قدمی سے لڑیں اپنی دوستی اور محبوبیت کے لیے مخصوص فرمایا ہے

"ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفاً کانھم بنیانٌ مرصوص" (پارہ ۲۸ سورۃ الصف آیۃ ۴)

(خدا تو ان لوگوں سے الفت رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اسی طرح پرا باندھ کے لڑتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیواریں ہیں)

ہر قسم کی ہار جیت کی شرط لگانا اسلام میں حرام ہے لیکن دفاع کے مقصد سے تیر اندازی اور گھوڑ دوڑ میں شرط لگانا جائز ہے۔

گھوڑے کی سواری ممالک عربیہ میں پسندیدہ اور خاص توجہ کے قابل سمجھی جاتی تھی اور عربی گھوڑوں کے نسل نامے مثل انسان کے نسب ناموں کے مرتب کیے جاتے تھے۔ لہٰذا دنیا کے مشہور گھوڑوں اور ہتھیاروں میں چند قابل ذکر ہیں مثلاً رخش رستم، ذوالجناح حضرت امام حسینؑ اور ذوالفقار حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام چنانچہ ان میں گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا عقاب ہے۔

عقاب، کے متعلق جو ہم کو معلوم ہے وہ مختصر طور پر یہ ہے کہ جب پیغمبرؐ کے دادا عبدالمطلبؑ نے یمن کا سفر کیا تو وہاں کے بادشاہ نے جس کا نام "سیف بن ذی یزن" تھا اور جو بہت باجلال اور

باثروت تھا ان کا اور ان کے ہمراہیوں کا پرجوش استقبال کیا اور جب اس نے عبدالمطلب سے تنہائی میں باتیں کیں تو کہا کہ میں نے آسمانی کتابوں میں پڑھا ہے کہ مشرق میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام محمد ہوگا اور جس کے پاس نبوت کی نشانیاں ہوں گی اور اس کی شہرت دنیا میں پھیل جائے اور دیگر اوصاف بھی محمدؐ کے بیان کئے۔

عبدالمطلبؑ نے جواب دیا کہ وہ بچہ میرا پوتا ہے اور وہ پیدا ہوگیا ہے۔ سیف نے کہا کہ میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں محمدؐ پر ایمان لایا ہوں۔ اس بات کو یہودیوں اور نصرانیوں سے پوشیدہ رکھنا کیونکہ وہ لوگ ان کی دشمنی میں سرگرمی دکھائیں گے۔ بعدہ اس نے بہت سے تحفے عبدالمطلبؑ اور ان کے ہمراہیوں کے لیے پیش کئے اور ان میں سے چند قیمتی کپڑے، چند گھوڑے اور چند عطر کی شیشیاں محمدؐ کے لیے بھیجیں اور کہا کہ ان سے میرا سلام کہنا۔

ان گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا عقاب تھا جس کا نسل نامہ بھی عبدالمطلبؑ کو دیا۔

یہ گھوڑا پیغمبرؐ کی سواری میں خاص طور سے رہتا تھا اور رسالتمآبؐ کے قدوم مبارک کی یہ برکت تھی کہ جس گھوڑے پر

آنحضرتؐ سوار ہوتے تھے اس کی جسمانی قوت اور دانت باقی رہتے تھے۔

یہ گھوڑا عرصہ تک امیر المومنین حضرت علیؑ کی سواری میں رہا اور کچھ عرصہ امام حسنؑ کی سواری میں۔ ہاں بالاخر امام حسین علیہ السلام نے اس گھوڑے کو علی اکبر کو عطا کر دیا۔

علی اکبرؑ عقاب پر سوار ہوتے تھے اور عقاب اپنے راکب کا بڑا وفادار تھا۔

شاعروں نے حضرت امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کی سواری کے گھوڑوں کی تعریف میں بہت سے اشعار لکھے ہیں۔

سیّد الشہداء کو علی اکبرؑ سے سب سے زیادہ قلبی لگاؤ تھا

حضرت امام حسینؑ کو حضرت علی اکبرؑ سے سب سے زیادہ محبت تھی۔ اسی وجہ سے آپ نے محبوب ترین فرزند کو سب سے پہلے خدا کی راہ میں پیش کیا۔

حضرت علی اکبرؑ کا مدفن

مورخین نے لکھا ہے کہ سیّد الشہداء نے بروز عاشورا ایک

خاص خیمہ اپنے لیے نصب کرایا تھا جیسا کہ طبری نے لکھا ہے۔

"افرد خیمہ فی حومۃ المیدان"

(اس میدان کی وسعت میں آپ کا یہ خیمہ سب سے ممتاز تھا)

جو شخص میدان میں شہید ہوتا تھا سید الشہدا اس کی نعش خود اس خیمہ میں لاتے تھے اور ایک قطار میں رکھ دیتے تھے اور دل کی مضبوطی اور تائید الٰہی سے یہ بزرگ بہتر لاشوں سے زیادہ خود اٹھا کر لائے اور نہایت وقار اور اطمینان سے بالترتیب ایک دوسرے کے پہلو میں رکھتے تھے اور سب جنازوں پر نظر ڈالنے کے بعد جنگ کے نظم و نسق میں مشغول ہو جاتے تھے۔

ان شہیدوں میں سے جن کو امامؑ خیمہ میں نہ لا سکے ایک حضرت ابوالفضل العباسؑ کی نعش تھی اور دوسری علی اکبرؑ کی نعش تھی۔ حضرت عباسؑ کی نعش بوجہ ان کی وصیت کے نہ لا سکے اور علی اکبرؑ کی نعش بوجہ رقت پدری نہ اٹھا سکے۔

اہل بیتؑ کے جوانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آؤ اور اپنے بھائی کی نعش اٹھا لیجاؤ۔

حضرت سجادؑ نے اسی جگہ جہاں شہیدوں کا خیمہ تھا کل

ابن کثیر نے کامل میں اور اسد الغابہ و ناسخ التواریخ وغیرہ میں۔

www.kitabmart.in

شہیدوں کو دفن کیا اور علی اکبرؑ کو اپنے پدر بزرگوار کی وصیت کے مطابق حضرت کے پائین پا دفن کیا اور یہ شش گوشہ قبر پہلی تھی جو بنائی گئی۔

حضرت عباسؑ کی لاش کو سید الشہداؑ کی خواہش کے مطابق وہیں دفن کیا گیا جہاں آپ نہر علقمہ کے کنارے شہید ہوئے تھے۔ امام حسینؑ بہ نظر حفظ مقام ابوالفضل العباس چاہتے تھے کہ ان کے بھائی کا روضہ و صحن و رواق و قبہ مستقل اور مخصوص تعمیر ہوتا کہ زائرین ان کی زیارت کو وہاں جائیں اور عرض حاجت کریں۔

زیارت حضرت علی اکبر علیہ السلام

زیارت درحقیقت مزار پر حاضر ہونا اور سورہ اور دعا کا پڑھنا ہے مثلاً میں آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں جو میرے لیے باعث عزت و شرف ہے۔ چنانچہ ابن ظبیان نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی حدیث بیان کی ہے کہ حضرت نے فرمایا۔

اذا اتیت الفرات فاغتسل والبس ثوبیک ثم ائت القبر وقل صلی اللہ علیک یا ابا عبد اللہ فقد تمت زیارتک علہ

(جب تم دریائے فرات پر پہونچو تو غسل کرکے اپنے کپڑے

پہنو۔ پھر مزار مبارک پر حاضر ہو اور یوں عرض کرو کہ اے

ابو عبداللہ آپ پر خدا کی رحمت ہو، تب تمھاری زیارت

پوری ہو گی۔

دوسری حدیث ہے کہ لوگوں نے حضرت امام جعفر صادق سے

حضرت امام حسینؑ کی زیارت کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا۔

قل السلام علیك یا ابا عبد اللّٰہ تعید ذلك

ثلاثا فان السلام یصل الیہ من قریب ومن بعید[۱]

"کہو اے ابو عبداللہ آپ پر سلام ہو" اس کلمہ کو تین مرتبہ

کہو اس لیے کہ سلام خواہ دور سے بھیجا جائے یا قریب سے ان تک

پہنچتا ہے۔

یہ سید الشہداء کی سب سے مختصر زیارت ہے جس کے پڑھنے

کی تاکید کی گئی ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی زائر کچھ کلمے اپنی طرف سے

اضافہ کرے جس کے وہ معنی نہ سمجھتا ہو اور سوء ادبی کا مرتکب ہو۔

چنانچہ عبدالرحمن قصیر نے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت

امام جعفر صادق کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے خود ایک دعا

---

[۱] مزار بحار صفحہ ۱۵۱ از کامل الزیارہ

ترتیب دی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ایسا نہ کرنا، فقط جو کچھ تم تک پہنچا ہے اور رائج ہے اسی کو پڑھو، اس کے بعد حضرت نے سید الشہداء کی زیارت کا طریقہ جو رسالتمآبؐ نے جابرؓ کو بتایا تھا بیان کیا۔

شیخ طوسی نے فرمایا ہے کہ امام حسینؑ کی زیارت کے بعد علی بن الحسینؑ کی قبر کے پاس جو امام علیہ السلام کے پائین پا ہے جاؤ اور کہو:۔

"السلام علیک یابن رسول اللہ السلام علیک یابن امیر المومنین، السلام علیک یابن الحسن والحسین، السلام علیک یابن خدیجۃ الکبریٰ و فاطمۃ الزہراء صلی اللہ علیک ثلاثاً، لعن من قتلک ثلاثاً انا ابرأ الی اللہ منھم ثلاثاً"

شیخ کلینی لکھتے ہیں کہ علی اکبرؑ کے بالین کے قریب جاؤ اور کہو:۔

"سلام اللہ وسلام ملائکتہ المقربین و انبیائہ المرسلین علیک یامولای وابن مولای ورحمۃ اللہ وبرکاتہ صلی اللہ علیک وعلیٰ اھل بیتک و عترتک وآبائک الاخیار الابرار الذین اذھب اللہ عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا"

دوسری زیارت کو شیخ طوسی نے مصباح المتہجد میں صفوان جمالی سے نقل کیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے بعد کہو:۔

"السلام علیک یا ابن رسول اللّٰہ، السلام علیک یا ابن نبی اللّٰہ، السلام علیک یا ابن امیر المومنین، السلام علیک یا ابن الحسین الشہید، السلام علیک یا ابن الشہید وابن الشہید، السلام علیک ایھا المظلوم وابن المظلوم، لعن اللّٰہ امۃ قتلتک ولعن اللّٰہ امۃ ظلمتک ولعن اللّٰہ امۃ سمعت بذلک فرضیت بہ"

پھر قبر کی طرف جھکو اور بوسہ دو اور کہو:۔

"السلام علیک یا ولی اللّٰہ وابن ولیہ لقد عظمت المصیبۃ وجلت الرزیۃ بک علینا وعلی جمیع المسلمین فلعن اللّٰہ امۃ قتلتک و ابرأ الی اللّٰہ والیک منھم"

پانچویں زیارت مزار کبیر میں اس طرح درج ہے:۔

"السلام علیک یا ولی اللّٰہ وابن ولیہ، السلام

علیک یا حبیب اللہ وابن حبیبہ ۔ السلام علیک یا خلیل اللہ وابن خلیلہ عشت سعیداً ومت فقید وقتلت مظلوماً یا شہید ابن الشہید علیک من اللہ السلام"

دوسری زیارت "مصباح الزائر" میں اول ماہ رجب و نیمہ شعبان کے ذیل میں نقل کی ہے :-

"السلام علی اول قتیل من نسل خیر سلیل من سلالۃ ابراھیم الخلیل صلی اللہ علیک وعلی ابیک وعلی انتہاک حرمۃ الرسول علی الدنیا بعدک العفا اشھد انک ابن حجۃ اللہ وابن امینہ حکم اللہ لک علی قاتلیک واصلاھم جہنم وساءت مصیراً وجعلنا یوم القیمۃ من ملاقیک ومرافقیک ومرافقی جدک وابیک وعمک واخیک وامک المظلومۃ الطاھرۃ المطھرۃ ابرء الی اللہ ممن قتلتک واسئل اللہ مرافقتکم فی دار الخلود والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ[۱]"

---

[۱] زیارۃ ناحیہ سید ابن طاؤس

نماز زیارت علی اکبر علیہ السلام

ثم زر علی بن الحسین والشہداء والعباسؑ وتصلی رکعات الزیارۃ ثمان۔ (پس زیارت پڑھ علیؑ بن الحسین کی اور شہداء کی اور حضرت عباسؑ کی اور آٹھ رکعت نماز پڑھو۔

فقہاء اور محققین کے درمیان امام زادوں کی نماز کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا امام زادوں کی زیارت پڑھنے کے بعد نماز پڑھی جائے یا نہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ چونکہ امام زادہ کی نماز زیارت کے متعلق کوئی سند نہیں پہنچی ہے لہذا نماز پڑھنا لازم نہیں ہے اور ایک جماعت معتقد ہے کہ زیارت کے دستور عام کے مطابق زیارت اور نماز زیارت پڑھ سکتے ہیں چنانچہ حدیث امام جعفر صادقؑ ہے جس میں حضرت سید الشہداء کی زیارت کے متعلق فرمایا ہے :-

فاذا فرغت فصل ما احببت الا ان رکعتی الزیارۃ لا بد منھا عند کل قبر ...... [1]

لہذا اس حدیث کے مطابق زیارت اور بعد دعا، اور نماز زیارت ضرور بالضرور پڑھنا چاہیئے اور یہ عمل ہر شہید کی قبر یا امام کے مزار پر ہونا چاہیئے۔ لیکن علامہ مجلسی یہ فرماتے ہیں کہ غیر معصوم کے لیے

---

[1] مزار بحار ۱۳ کامل الزیارہ ابن قولویہ صفحہ ۲۴۰

نماز زیارت جائز نہیں ہے[۱]۔

شیخ مفید اور ابن مشہدی نے مزار میں روایت کی ہے کہ حضرت عباسؑ کی زیارت کے بعد نماز زیارت پڑھنا چاہیئے حالانکہ حضرت عباسؑ معصوم نہ تھے اس لیے ان کے لیے زیارت اور نماز زیارت کے جائز ہونے سے تمام امام زادوں کے لیے یہ عمل تسلیم کرنا پڑے گا۔

سید ابن طاؤس نے مصباح الزائر میں زیارت اور نماز زیارت دونوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ابن مشہدی نے 'اول مزار' میں لکھا ہے کہ چونکہ ہم معتقدین کے لیے امام کی زیارت اور نماز کی نیت کا حکم ہے لہذا ان کے خاندان کے لیے بھی یہ عمل جائز ہے۔

شہید اول نے مزار کبیر میں لکھا ہے کہ علماء نے مسلمؑ بن عقیل اور ہانی بن عروہ کی زیارت کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا مستحب خیال کیا ہے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ جب مسلمؑ و ہانی کے لیے نماز پڑھنا مستحب ہے تو حضرت علی اکبرؑ شہید جیسی شخصیت کیلئے نماز زیارت بدرجہ اولیٰ لازم ہے۔

اور سید بن طاؤس نے تسبیح سے استخارہ کے ذکر میں اپنے ایک نائب کو حکم دیا کہ حائر حسینؑ کی زیارت میں نماز کو نہ بھولنا چاہیئے کیونکہ حائر حسینؑ کا شمار مساجد اربعہ میں ہے جہاں نماز کے قصر و اتمام کا زائر کو اختیار ہے اور سید الشہداءؑ کی نماز زیارت منقول اور حکمی ہے لہذا علی اکبرؑ کی نماز زیارت جن کی قبر مزار امام حسینؑ میں شامل ہے اسی حکم کے مطابق

---

[۱] مزار بحار صفحہ ۱۶۵

پڑھنا چاہئے۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے "بلد الامین" میں حسب ذیل قاعدہ بتایا ہے:-

"ثم زر علی بن الحسین والشہداء والعباس وتصلی رکعات الزیارۃ ثمان"

اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ آٹھ رکعت نماز کے لیے علاوہ اس دو رکعت نماز کے جو بعد زیارت سید الشہدا پڑھی جاتی ہے حکم فرمایا ہے۔

مزار کبیر کے مؤلف نے اس حدیث کے نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ زیارت امام حسینؑ اور دو رکعت نماز مخصوص انکی زیارت کے بعد حسب ذیل طریقہ سے پڑھو۔

"قال ثم زر علی بن الحسینؑ وصلی رکعتین واکثر بعدھما من الصلوٰۃ علی النبیؐ محمد وآلہ وتسأل حاجتک"

یعنی سید الشہدا کی زیارت اور نماز پڑھنے کے بعد حضرت علی اکبرؑ کی زیارت پڑھو اور دو رکعت نماز ان کی قبر کے نزدیک پڑھو اور پیغمبرؐ پر درود بھیجو اور اپنی حاجت مانگو۔ اس طریقہ سے حضرت علی اکبرؑ کی زیارت مخصوص اور ان کی نماز زیارت ثابت ہو جاتی ہے اس لیے چاہیئے کہ حضرت علی اکبرؑ کی زیارت کے بعد دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے۔

السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین

سید محمد عباس زیدی

یوم جمعہ ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ ہجری

بھتاری گیا ونڈ علی گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زندگانی

حضرت علی اکبر شہید علیہ السلام

از تالیف الحاج عماد الدین حسین اصفہانی

معروف بہ عماد زادہ

بار دوم

مترجمہ

الحاج خان بہادر سید محمد عباس زیدی جلالوی

آئی۔اے۔ایس

ریٹائرڈ جوڈیشل ممبر بورڈ آف ریوینیو

اُتر پردیش انڈیا

باراوّل جنوری سنہ ۱۹۶۷ء

پبلشرز

احباب پبلشرز، اقبال منزل، مقبرۂ عالیہ
گولہ گنج۔ لکھنؤ

پرنٹر

سرفراز قومی پریس نادان محل روڈ۔ لکھنؤ

قیمت :۔ دو روپیہ ۲؎